ششماہی

# استشراق

مدیر

ڈاکٹر سعید احمد

ششماہی

# "استشراق"

نومبر 2024۔ اپریل 2025

جلد 2، شمارہ 1

انسٹیٹیوٹ آف اورینٹلزم میانوالی

| | |
|---|---|
| مدیر | ڈاکٹر سعید احمد |
| نائب مدیر | ڈاکٹر محمد عرفان |
| معاون مدیر | طوبیٰ گل |
| معاون مدیر | ڈاکٹر محمد بلال دانش |
| معاون مدیر (انگریزی حصہ) | فرخندہ عزیز اعوان |
| قانونی معاون | مہوش اسماء اعوان |

## ادارتی بورڈ

| | |
|---|---|
| ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری | سابق وائس چانسلر یونیورسٹی آف سرگودھا |
| ڈاکٹر قبلہ ایاز | سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل / جج شریعت ایپلٹ بنچ |
| ڈاکٹر عبد اللہ صالح | ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سنٹر جامعہ پنجاب لاہور |
| نگار سجاد ظہیر | سابقہ صدر شعبہ تاریخ جامعہ کراچی |
| محمد دین جوہر | معروف اسکالر |
| ڈاکٹر حافظ محمد نعیم | شعبہ علوم اسلامیہ جی سی یونیورسٹی لاہور |
| ڈاکٹر فیروز الدین شاہ کھگہ | پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ سرگودھا یونیورسٹی |
| ڈاکٹر جمیل احمد نیکانی | ایسوسی ایٹ پروفیسر بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان |
| ڈاکٹر عبد الرؤف | ڈائریکٹر نائل انسٹیٹیوٹ آف لینگویجز اینڈ لرننگ، قاہرہ مصر |

# مجلہ استشراق کی اشاعتی پالیسی

"مجلہ استشراق" ایک علمی و تحقیقی مجلہ ہے جس کا مقصد مستشرقین اور استشراق سے متعلق مطالعات کو تحقیقی، غیر جانب دار اور باوقار انداز میں پیش کرنا ہے۔ اس ضمن میں مجلہ درج ذیل اُصولوں کی پابندی کو ضروری سمجھتا ہے:

1. علمی معیار

مجلہ صرف ان مضامین کو شائع کرتا ہے جو تحقیقی اسلوب، مستند حوالہ جات اور علمی وقار کے ساتھ تحریر کیے گئے ہوں۔

2. منفی پروپیگنڈہ ممنوع

کسی فرد، مکتب فکر یا ادارے کے خلاف محض منفی پروپیگنڈے، جذباتی بیانات یا غیر مستند الزامات پر مبنی مواد ہرگز شائع نہیں کیا جائے گا۔

3. علمی تنقید کی اجازت

مجلہ علمی تنقید کی مکمل اجازت دیتا ہے، بشرطیکہ وہ تحقیقی اصولوں کے مطابق، مناسب حوالہ جات کے ساتھ اور احترامِ علمی کے دائرے میں ہو۔

4. ادبی تہذیب و اخلاق

زبان و بیان میں شائستگی، علمی سنجیدگی اور تنقید میں حسنِ ادب کو ملحوظ رکھنا تمام مصنّفین کے لیے لازم ہوگا۔

5. ادارتی صوابدید

ادارہ کسی بھی مضمون کو شائع یا مسترد کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہے، خصوصاً اگر وہ پالیسی سے متصادم ہو۔

# فہرست مضامین


| | نمبر شمار | عنوانات | مضمون نگار | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|---|
| | | اداریہ | مدیر | |
| 1 | گوشہ شخصیات | رابرٹ اسپنسر کا تعارف | حسنات عارف | |
| 2 | گوشہ تحریکات | Revisionist Movement (نظر ثانی تحریک) | ڈاکٹر حافظ سعید احمد | |
| 3 | گوشہ علاقہ | استشراق کا مطالعہ ایران میں | طوبیٰ گل | |
| | | کارپس قرآنیکم (جرمن منصوبہ) | ڈاکٹر محمد عرفان | |
| 4 | گوشہ تبصرہ کتب | ایڈورڈ سعید کی کتاب Orientalism کا تعارف | اسامہ | |
| 5 | | متونِ حدیث پر جدید ذہن کے اشکالات از ڈاکٹر محمد اکرم ورک | حافظ سعید احمد | |
| | | اردو میں استشراق پر لکھی گئی کتب کی فہرست | ادارہ | |
| 6 | گوشہ سرگرمیاں | (اکتوبر 2024 تا مارچ 2025): کانفرنسز، ویبنارز، سیمینارز، کتب، تراجم کا تعارف | ڈاکٹر محمد عرفان | |
| | | مجلہ استشراق مشاہیر اہلِ علم کی نظر میں | | |

## اداریہ

# مطالعہ استشراق کا فروغ: کیوں اور اس کے اثرات؟

کوئی بھی سماج جب فکری جمود کا شکار ہو جائے تو وہ ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کی راہوں سے کٹ جاتا ہے اور عجیب و غریب بیماریوں اور کمزوریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ کینسر اور دیمک اس کو اندر ہی اندر اس کے خلیے تباہ ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے مسلم سماج کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہو گئی ہے جہاں جمود نے معاشرے کی فکری، تعلیمی اور سائنسی پیش رفت کو بہت ہی سست کر دیا ہے۔ اس جمود کو توڑنے کے لیے تعلیم بنیادی ذریعہ ہے، مگر ایسی تعلیم جو صرف ہنر سکھائے یا ماضی کی عظمت کو دہراتی رہے، کافی نہیں۔ ضرورت ایسی تعلیم کی ہے جو ماضی کا تجزیہ، حال کی تفہیم اور مستقبل کی منصوبہ بندی کرنا سکھائے۔

مسلم سماج کو فکری جمود سے نکالنے کے لیے ضروری ہے کہ نصاب میں ایسے مضامین شامل کیے جائیں جو سوالات پیدا کرنے اور چیلنجز کا سامنا کرنا سکھائیں۔ ہمارے خیال میں "مطالعہ استشراق" ایسا ہی ایک مضمون ہے جو فکری آزادی، تنقیدی شعور اور علمی پیش رفت میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ مستشرقین نے مسلمانوں کی مذہبی، تاریخی اور ثقافتی پہلوؤں پر گراں قدر کام کیا ہے، تو مسلم اسکالرز نے ان کے تحقیقی و تنقیدی کام کو صرف تنقیدی پہلو سے دیکھا، جس کے نتیجے میں ان کے کام کے مثبت پہلو اجاگر نہ ہو سکے۔ اور ہم نے اس سے کچھ سیکھ نہیں سکے۔

کسی بھی موضوع پر علمی تجزیہ کرتے وقت یہ نہایت ضروری ہے کہ اس کے بنیادی حقائق اور پسِ منظر سے مکمل آگاہی حاصل ہو۔ بصورت دیگر، تجزیے میں نا صرف خلل واقع ہو سکتا ہے بلکہ غلط معلومات کے پھیلاؤ کا خدشہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ اسلامی تاریخ، قرآن، حدیث، فقہ اور مسلم تہذیب و ثقافت کے مختلف پہلوؤں پر مستشرقین (Orientalists) نے وسیع پیمانے پر تحریری کام کیا ہے، جس کا ہمارے علمی و فکری رویّوں پر گہرا اثر پڑا ہے۔ لہٰذا ان کے افکار و نظریات کا تنقیدی مطالعہ از حد ضروری ہے، تاکہ ان کے علمی کام کا غیر جانب دارانہ جائزہ لیا جا سکے، اور اگر کہیں تعصب، غلط بیانی یا علمی خیانت موجود ہو تو اسے دلائل کے ساتھ واضح کیا جا سکے۔

انسانی تحقیق اور علمی کاوش کبھی مکمل نہیں ہوتی، بلکہ اس میں کچھ نہ کچھ نقائص اور خلا باقی رہ جاتے ہیں۔ مستشرقین نے مسلم علوم و فنون پر مختلف پہلوؤں سے تحقیقی کام کیا ہے، جس میں قدیم مخطوطات کی از سرِ نو ترتیب، صدیوں سے لائبریریوں میں مدفون علمی ذخیرے کی تدوین و اشاعت، ان پر تنقیدی نوٹس کی تیاری، اور مختلف موضوعات پر گہرا تقابلی مطالعہ شامل ہے۔ یہ سب کام اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں، تاہم ان میں نقائص کا پایا جانا ایک فطری امر ہے۔

جب مسلمان طلبہ ان موضوعات کا مطالعہ کریں گے اور اپنی دلچسپی کے مخصوص میدانوں کا انتخاب کریں گے، تو ان کے لیے یہ ممکن ہو گا کہ وہ ان کتب پر مزید تحقیقی کام کریں، اور مغربی محققین کی بعض آراء میں پائی جانے والی جانبداری، غلط فہمی یا نظریاتی تعصب کی نشاندہی کر سکیں۔ اس عمل کے نتیجے میں مسلم نوجوان محققین نہ صرف مستند علمی تنقید پیش کر سکیں گے، بلکہ تحقیقی اصولوں کی روشنی میں ان فکری مغالطوں کا مؤثر ازالہ بھی کر پائیں گے۔

مسلم علمی روایت ایک تابناک اور درخشندہ میراث کی حامل ہے، جس پر مستشرقین نے مختلف ادوار میں گراں قدر تحقیقی کام کیا ہے۔ ان کے کام کا واضح ثبوت وہ علمی خدمات ہیں جو انہوں نے نادر و نایاب مخطوطات کی تحقیق، تدوین اور اشاعت کی صورت میں انجام دی ہیں۔ استشراق کے مطالعے سے نہ صرف اسلامی علوم و معارف کی گہرائیوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، بلکہ یہ مطالعہ ہمیں اپنے علمی ورثے کو محفوظ رکھنے کے لیے بھی ایک نیا زاویہ فراہم کرتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ابتدائی تعلیم سے ہی بچوں کو ان کے اسلاف کی علمی خدمات اور کارہائے نمایاں سے روشناس کرایا جائے، تاکہ ان میں اپنی تہذیبی و فکری روایت سے وابستگی پیدا ہو، اور وہ مستقبل میں اس کی حفاظت اور ترویج کے لیے خود کو مؤثر کردار ادا کرنے کے قابل بنا سکیں۔

مسلم سماج میں آج بھی ترقی، مساوات اور آزادی جیسے بنیادی سوالات ایک چبھتے ہوئے مسئلے کی صورت اختیار کیے ہوئے ہیں، جن کے تشفی بخش جوابات کی عدم موجودگی فکری انتشار اور ذہنی اضطراب کو جنم دیتی ہے۔ ایسے میں استشراق کے افکار و نظریات، جو بدستور اسلامی تعلیمات، مسلم شناخت اور بین الاقوامی تعلقات پر اثر انداز ہو رہے ہیں، کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ ان نظریات کا گہرا اور تنقیدی مطالعہ نہ صرف مغربی فکری دھاروں کو سمجھنے کے لیے ناگزیر ہے، بلکہ یہ جدید مسلم فکر کی تشکیل اور استحکام کے لیے بھی ایک بنیادی قدم ہے۔ یہ مطالعہ مسلم معاشروں کو فکری اعتماد، نظریاتی وضاحت اور علمی پختگی فراہم کر سکتا ہے، جو موجودہ چیلنجز سے مؤثر انداز میں نبرد آزما ہونے کے لیے ضروری ہے۔

آج کی دنیا ایک "عالمی گاؤں" کی شکل اختیار کر چکی ہے، جہاں معلومات تک رسائی لمحوں میں ممکن ہو گئی ہے۔ ایسی دنیا میں کسی بھی تہذیب، مذہب یا ثقافت سے نفرت یا مکمل لاتعلقی کی بنیاد پر تعلقات قائم رکھنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہو چکا ہے۔ اختلاف رائے کی گنجائش ہمیشہ موجود رہتی ہے، اور اسی اختلاف سے نئے خیالات اور زاویے جنم لیتے ہیں۔ تاہم، اختلاف کا مطلب قطع تعلق نہیں بلکہ مکالمے کے دروازے کھلے رکھنا ہے۔

اگر مسلمان نوجوان استشراق کے مطالعے میں گہرائی سے مہارت حاصل کریں، تو وہ مغربی دنیا کے ساتھ علمی اور فکری سطح پر ایک مؤثر مکالمہ کر سکتے ہیں۔ اس مکالمے کے ذریعے نہ صرف غلط فہمیوں کا ازالہ ممکن ہے، بلکہ اسلامی ثقافت، اقدار اور عقائد کو علمی استدلال اور معقولیت کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے، جو بین الاقوامی سطح پر مسلم شناخت کے مثبت تعارف کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

کسی بھی طالب علم یا محقق کے لیے فکری ترقی اور علمی پختگی کے سفر میں تنقیدی شعور ایک قیمتی اثاثہ ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا موجودہ نظامِ تعلیم اس صلاحیت کو فروغ دینے میں ناکام دکھائی دیتا ہے، اور ہمارا نصاب آج بھی ماضی کی داستانوں کا محافظ بن کر رہ گیا ہے، جو طلبہ کو موجودہ فکری چیلنجز سے نمٹنے کے لیے درکار فکری آزادی اور تنقیدی سوچ سے محروم رکھتا ہے۔

ایسے میں مطالعۂ استشراق کو نصاب میں شامل کرنا نہایت اہمیت کا حامل ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ نہ صرف طلبہ کو جدید فکری رجحانات سے روشناس کراتا ہے بلکہ ان میں سوچنے، سوال اٹھانے اور دلائل کے ساتھ اپنی بات کہنے کی صلاحیت کو بھی جِلا بخشتا ہے۔ جب مسلمان طلبہ استشراق اور اس کے پسِ منظر کو سمجھنے لگیں گے، تو وہ مغربی علمی و فکری رجحانات کا بہتر تجزیہ کر سکیں گے اور کسی بھی نظریاتی یلغار یا تعصب کا علمی اور مؤثر جواب دینے کے قابل ہو جائیں گے۔

کسی بھی معاشرے کی ترقی کے لیے یہ لازمی ہے کہ اس کے علمی و تحقیقی ادارے متحرک ہوں اور ان میں علمی سرگرمیاں مسلسل، متنوع اور نتیجہ خیز انداز میں جاری رہیں۔ اگر علمی تحریک کا یہ عمل رک جائے تو فکری جمود پیدا ہو جاتا ہے۔ استشراق کے زیر اثر پیدا ہونے والے سوالات بظاہر ابتدا میں پیچیدہ اور الجھن آمیز محسوس ہو سکتے ہیں، لیکن یہ سوالات مستقل الجھن نہیں ہوتے۔ جب سنجیدہ علمی تحقیق ان پر کی جاتی ہے، تو یہی سوالات فکری ارتقاء اور علمی پختگی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

استشراق کا مطالعہ نہ صرف مسلم دنیا کو اپنے علمی و فکری ورثے پر نئے زاویے سے غور کرنے کی ترغیب دیتا ہے، بلکہ اس سے تحقیقی مزاج اور علمی تنقید کی ایک صحت مند روایت بھی جنم لیتی ہے۔ اس عمل کے نتیجے میں مسلمان نہ صرف اپنی علمی میراث کی از سرِ نو تجدید کر سکیں گے بلکہ اسے موجودہ دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں بھی مؤثر کردار ادا کریں گے۔

بیانیہ کسی بھی سماج کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ نہ صرف اس قوم کی فکری اور تہذیبی شناخت کا مظہر ہوتا ہے بلکہ اس کے اجتماعی شعور، نظریات اور اقدار کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ بیانیہ دراصل اس زاویہ نگاہ کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے کوئی قوم دنیا کو دیکھتی اور دنیا کو اپنے بارے میں دکھاتی ہے۔ تاہم یہ سوال نہایت اہم ہے کہ ایک مؤثر اور پائیدار بیانیہ کن بنیادوں پر استوار کیا جاتا ہے؟ محض روایتی یا جذباتی دعوے کسی قوم کا دیرپا بیانیہ تشکیل نہیں دے سکتے، بلکہ اس کے لیے علمی، تاریخی، فکری اور ثقافتی بنیادیں درکار ہوتی ہیں۔

اسلامی بیانیہ کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو موجودہ دور میں اس کی تشکیل نو ایک ناگزیر ضرورت بن چکی ہے، خاص طور پر اُس پس منظر میں جہاں مغربی دنیا میں اسلام کے حوالے سے کئی طرح کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ان غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے ایک ایسا بیانیہ درکار ہے جو علمی گہرائی، فکری وسعت اور معروضی تجزیے پر مبنی ہو۔

ایسے میں مستشرقین کی تحقیقات ایک اہم حوالہ بن سکتی ہیں۔ اگرچہ بعض مستشرقین نے اسلام کو تعصبات کی عینک سے دیکھا، لیکن ایک بڑی تعداد نے خالص علمی بنیادوں پر اسلامی تہذیب، تاریخ، فقہ، اور فلسفہ کا مطالعہ کیا۔ اگر مسلمان محققین ان تحقیقات کا غیر جانب دارانہ اور گہرائی سے مطالعہ کریں، تو ان کے ذریعے ایک ایسا درست اور علمی بیانیہ تشکیل دیا جا سکتا ہے جو مغربی دنیا کے سامنے اسلام کی حقیقی اور متوازن تصویر پیش کرے۔ ایسا بیانیہ محض دفاعی نہیں بلکہ تعمیری ہوگا، جو مکالمے، دلیل، اور تحقیق کی بنیاد پر استوار ہوگا۔

فکری کجی کسی بھی قوم کے لیے زہرِ قاتل کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ یہ اسی بنیاد پر استوار ہوتی ہے جس پر کسی قوم کا ورلڈ ویو (عالمی منظر نامہ) وجود میں آتا ہے۔ اگر قوم کی فکری بنیادیں ٹھیک نہ ہوں، تو اس کا عالمی منظر نامہ یا فکری نقطہ نظر بھی غیر متوازن اور غلط ہوگا۔ جب قومیں اپنی حقیقت، تاریخ، اور شناخت سے منحرف ہو کر غیر مستحکم نظریات کی طرف راغب ہوتی ہیں، تو ان کا علمی اور فکری ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی وہ نقطہ ہوتا ہے جب کسی قوم کا فکری شعور کمزور پڑتا ہے، اور وہ عالمی سطح پر اپنا مؤقف واضح طور پر پیش نہیں کر پاتی۔

استعمار کی فکری غلامی سے نجات حاصل کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ استشراق کا مطالعہ ہے۔ استشراق، یعنی مغربی دنیا کا اسلامی معاشروں اور تاریخ کا مطالعہ، نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مختلف زاویوں سے تحقیق کی، لیکن اس تحقیق میں کئی تعصبات اور مغربی مفروضات بھی شامل تھے۔

اگر مسلمان استشراق کا گہرا مطالعہ کریں تو یہ انہیں نہ صرف استعمار کے اثرات کو سمجھنے میں مدد دے گا، بلکہ یہ ان کے فکری شعور کو بھی بیدار کرے گا۔ استشراق کا مطالعہ کرنے سے مسلمان نہ صرف مغربی تعصبات کا مقابلہ کر سکیں گے بلکہ اپنے تاریخی، تہذیبی اور فکری ورثے کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسلمان ایک خودمختار علمی و فکری حیثیت اختیار کر سکیں گے۔

استشراق کا مطالعہ ہمیں اپنے ماضی کی تحقیق میں چھپے ہوئے سوالات کے جوابات تلاش کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ ہم اپنے مذہب، تاریخ اور تہذیب کو نہ صرف مغربی نظر سے بلکہ اپنے زاویے سے بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اس گہرے مطالعے کے ذریعے ہم

ان مفروضات کا مقابلہ کر سکتے ہیں جو مغربی دنیا نے اسلام کے بارے میں قائم کیے ہیں اور اسلام کی حقیقت کو اپنے سچے اور متوازن بیانیے کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

آج دنیا ایک عالمی گاؤں کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، جہاں اطلاعات، ٹیکنالوجی، اور تجارت کے ذریعے دنیا کے مختلف حصے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس عالمگیریت کے دور میں ترقی اور خوشحالی کا دارومدار جنگ، نفرت یا تقسیم کی بجائے مفاہمت، تعاون اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے پر ہے۔ آج کوئی بھی قوم صرف اپنی سرحدوں میں محصور ہو کر ترقی نہیں کر سکتی۔ عالمی سطح پر بڑھتی ہوئی معاشی، ثقافتی، اور سائنسی روابط نے عالمی تعلقات میں ایک نیا رخ اختیار کیا ہے۔
اس کے باوجود، عالمی تعلقات میں موجود پیچیدگیاں اور چیلنجز اب بھی موجود ہیں۔ ان چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک قوم کو نہ صرف اپنے داخلی مسائل پر قابو پانے کی ضرورت ہے بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی مؤثر پالیسیوں اور مضبوط بیانیے کی تشکیل کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر مسلمانوں کے لیے یہ ایک اہم موقع ہے کہ وہ عالمی سطح پر ایک مؤثر اور متوازن کردار ادا کریں، تاکہ نہ صرف اپنے حقوق کا تحفظ کر سکیں بلکہ عالمی سیاست میں اپنی موجودگی اور اثرورسوخ کو بھی مستحکم کر سکیں۔

جب مسلمان استشراق (Orientalism) کو سمجھیں گے اور اس کا گہرا مطالعہ کریں گے، تو وہ مغربی دنیا کی فکری، علمی، اور سیاسی پالیسیوں کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔ استشراق ایک ایسا علمی میدان ہے جس میں مغربی مفکرین اور محققین نے مسلمانوں، اسلام اور مشرقی تہذیبوں کا مطالعہ کیا۔ اگرچہ اس مطالعے میں کئی تعصبات اور مغربی مفروضات شامل تھے، لیکن اس کے باوجود اس مطالعے نے کئی اہم سوالات اور موضوعات کو اجاگر کیا جنہیں سمجھ کر مسلمان عالمی سطح پر مؤثر موقف اختیار کر سکتے ہیں۔

مغربی دنیا کی سیاسی پالیسیوں، جیسے کہ استعماریت، سامراجیت، اور طاقت کے توازن کی حرکات، کو سمجھنا مسلمانوں کے لیے انتہائی ضروری ہے تاکہ وہ ان کے اثرات کو بہتر طور پر تجزیہ کر سکیں۔ اس سے مسلمان عالمی سیاست میں اپنی پوزیشن مضبوط بنا سکتے ہیں اور بین الاقوامی تعلقات میں مؤثر انداز میں شریک ہو سکتے ہیں۔

مغربی دنیا کی فکری، علمی، اور سیاسی پالیسیوں کو سمجھنا اور ان کا تجزیہ کرنا مسلمانوں کے لیے ایک سنگ میل ثابت ہو سکتا ہے۔
استشراق کا گہرا مطالعہ مسلمانوں کو نہ صرف مغربی دنیا کی پالیسیوں کے پس منظر کو سمجھنے میں مدد دے گا بلکہ انہیں بین الاقوامی

تعلقات میں ایک مؤثر، معلوماتی اور خود مختار کردار ادا کرنے کا موقع بھی فراہم کرے گا۔ عالمی گاؤں میں مسلمانوں کا مؤثر اور تعمیری کردار ایک مضبوط فکری بنیاد کی موجودگی کے بغیر ممکن نہیں، اور استشراق کا مطالعہ اس کی تشکیل میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹلزم میانوالی مسلم سماج میں مطالعہ استشراق کے فروغ کے لیے مسلسل سرگرم عمل ہے۔ ادارہ مختلف علمی اور تحقیقی سرگرمیوں کا انعقاد کرتا ہے، جن میں آن لائن کلاسز کا سلسلہ، ششماہی مجلہ "استشراق" کی اشاعت، سوشل میڈیا پر استشراق سے متعلق مواد کی تشہیر، جدید استشراق کا اردو میں ترجمہ اور ویب سائٹ پر استشراق سے متعلق علمی مواد کی پیشکش شامل ہیں۔ آئندہ کے منصوبوں میں قومی سطح پر استشراق کانفرنس کا انعقاد اور ویب سائٹ کو مختلف زبانوں میں پیش کرنے جیسے اہم اقدامات شامل ہیں۔ ہم علمی دنیا میں کوئی دعویٰ تو نہیں کرتے، مگر اس نیک مقصد کے لیے اپنی جدوجہد کو جاری رکھنے کا عزم رکھتے ہیں، اور ان شاء اللہ دامے، درمے، قدمے ہمارا یہ سفر جاری رہے گا۔

یہ ہمارے ادارے کے لیے نہایت اعزاز کی بات ہے کہ ڈاکٹر قبلہ ایاز جیسے جلیل القدر محقق، سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل اور جج شریعت اپیلیٹ بینچ، نے نا صرف ہمارے کام کو سراہا بلکہ اس میں گہری دلچسپی کا اظہار بھی فرمایا۔ ان کی ہمارے ادارے سے وابستگی محض رسمی نہیں، بلکہ ایک پُرخلوص علمی تعلق کی شکل اختیار کر چکی ہے۔

اس تعلق کی ایک دل نشین جھلک اس وقت سامنے آئی جب ایک رات میں حسبِ معمول اپنی لائبریری میں مطالعے میں مشغول تھا کہ اچانک واٹس ایپ پر ان کا پیغام موصول ہوا کہ وہ رابطہ کرنا چاہتے ہیں۔ لمحہ بھر کو یقین نہ آیا کہ اتنی بڑی علمی شخصیت ہم جیسے طالب علموں سے براہِ راست بات کرنا چاہتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد ان کی کال آئی، اور یہ لمحہ میرے لیے باعثِ فخر بھی تھا اور حیرت کا سبب بھی۔ گفتگو کے دوران انہوں نے بتایا کہ وہ ہمارے ادارے اور مجلہ "استشراق" کی سرگرمیوں کو مدّت سے خاموشی سے دیکھ رہے ہیں، اور اس علمی کاوش سے بے حد متاثر ہیں۔ انہوں نے پچھلے تمام شمارے منگوائے اور اس بات پر خوشگوار حیرت کا اظہار کیا کہ ہم میانوالی جیسے نسبتاً پسماندہ علاقے میں بیٹھ کر اس قدر گہرائی سے استشراق پر علمی کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ادارے کے لیے ہر ممکن تعاون کی پیشکش کی، اور خود میانوالی آکر ادارے کا دورہ کرنے کی خواہش بھی ظاہر کی۔ ان کی طرف سے یہ اعتماد اور حوصلہ افزائی نہ صرف ہمارے لیے ایک بڑا اعزاز ہے بلکہ ہماری علمی کاوشوں کے لیے ایک قیمتی سرمایہ بھی۔ (ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و سلامتی عطا فرمائے اور ان کی علمی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے)

ہم جامعات کے پروفیسر، اسکالرز، طلباء اور محققین سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ استشراق کے موضوع پر تحقیق، ترجمہ، تربیت اور تنقید سے متعلق کام ہمارے ساتھ شیئر کریں تاکہ ہم انہیں شائع کر سکیں اور وسیع پیمانے پر اس کی اشاعت ہو سکے۔ رسالے کی کسی بھی پہلو سے بہتری کے لیے آپ کی تجاویز کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

(1) گوشہ شخصیات

## رابرٹ اسپنسر: تعارف، افکار، اور تنقیدات

تحریر و تحقیق: حسنات عارف (گفٹ یونیورسٹی گوجرانوالہ)

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جو امن، رواداری، عدل اور انسانیت کے احترام کی تعلیم دیتا ہے۔ تاہم جدید دنیا میں اسلام کے تصورِ جہاد اور بعض احکامات کو غلط انداز میں پیش کرنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ خاص طور پر مغرب میں بعض مستشرقین اور مصنفین نے اسلام کو شدت پسندی، دہشت گردی اور عدم رواداری سے جوڑ کر ایک منفی تصویر پیش کی۔ ان میں رابرٹ اسپنسر ایک نمایاں نام ہے، جنہوں نے اپنی تحریروں، کتابوں اور بیانات کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متعدد نظریات پیش کیے۔ ان کے خیالات نے مغربی ذہنیت پر گہرے اثرات ڈالے اور علمی و عوامی سطح پر اسلاموفوبیا کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔

بنیادی طور پر یہ تحریر رابرٹ اسپنسر کے بارے میں مختصر نوعیت کی تحریر ہے، جس میں اس کے افکار و نظریات، اس کی تصانیف، ان پر ہونے والی تنقیدات اور ان کے دعوؤں کا علمی تجزیہ پیش کرتی ہے تاکہ اسلام کے حقیقی پیغام اور مغربی تعصبات کے درمیان فرق کو واضح کیا جاسکے۔

رابرٹ اسپنسر 27 فروری 1962ء کو پیدا ہوئے اور ایک امریکی مصنف، بلاگر اور تبصرہ نگار کے طور پر شہرت حاصل کی۔ وہ ایک مسیحی یونانی خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا تعلیمی پس منظر "Religious Studies" میں ماسٹرز کی ڈگری پر مشتمل ہے۔ اس کی اسلامیات میں کوئی رسمی تربیت یا کسی مسلم علمی ادارے سے وابستگی نہیں رہی۔ اور اس کی بیشتر تصانیف غیر روایتی اور غیر تحقیقی نوعیت کے پبلشرز سے شائع ہوئیں۔ مغرب میں "انسدادِ جہاد (Counter-Jihad)" تحریک کے نمایاں اسکالرز میں شمار کیے جاتے ہیں۔ 2003ء میں اس نے "Jihad Watch" نامی ویب سائٹ قائم کی، جس کا ظاہری مقصد اسلامی شدت پسندی پر نظر رکھنا تھا، لیکن حقیقت میں یہ ویب سائٹ اسلام مخالف مواد کا مرکز بن گئی۔

اس نے 2010ء میں پامیلا گیلر کے ساتھ مل کر "Stop Islamization of America" تنظیم بھی بنائی، جسے Anti-Defamation League اور Southern Poverty Law Centre نے نفرت انگیز

گروہ قرار دیا۔

## رابرٹ اسپنسر کے افکار

رابرٹ اسپنسر کے افکار کی بنیاد اس نظریے پر ہے کہ اسلام ایک پر تشدد، جارحانہ اور انتہا پسند مذہب ہے۔اس کے مطابق: اسلام کی اصل تعلیمات شدت پسندی اور غیر مسلموں پر غلبے کی تلقین کرتی ہیں اور دہشت گردی، اسلامی روح کا لازمی جزو ہے۔اور مسلمان مغربی معاشروں کو "خفیہ جہاد" کے ذریعے اندرونی طور پر تبدیل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔اوراسلام مغربی اقدار جیسے آزادی، سیکولرازم، اور جمہوریت کے لیے خطرہ ہے۔

رابرٹ اسپنسر قرآن، حدیث اور سیرت نبوی ﷺ سے مخصوص حوالوں کو سیاق وسباق سے کاٹ کر پیش کرتے ہیں، اور اکثر غیر مستند ذرائع پر انحصار کرتے ہیں۔اس کے افکار کو علمی حلقوں میں غیر معروضی اور متعصب قرار دیا گیا ہے۔

## اسلام کے خلاف لکھی گئی کتب

رابرٹ اسپنسر نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں اسلام کو شدت پسندی اور مغربی تہذیب کے لیے خطرہ قرار دیا گیا۔اہم کتب درج ذیل ہیں:

**(1)The Truth about Muhammad (2006)**

نبی کریم ﷺ کی سیرت پر لکھی گئی، جس میں واقعات کو مسخ کر کے پیش کیا گیا۔اس کتاب پر کئی مسلم ممالک میں پابندی لگائی گئی۔

**(2)Stealth Jihad (2008)**

اس کتاب میں مصنف نے اپنی افکار و نظریات کی روشنی میں مسلمانوں پر مغربی معاشروں میں خفیہ طریقے سے اثرانداز ہونے کا الزام لگایا گیا۔

**(3) The Politically Incorrect Guide to Islam (2005)**

اس کتاب میں مصنف نے اسلام اور مسلمانوں کے کردار کو منفی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی اور اس کے لیے اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے سے بھی گریز نہ کیا گیا۔

### (4) Onward Muslim Soldiers

اس کتاب میں مصنف نے مغرب کے خلاف مبینہ مسلم جہاد کو موضوع بنایا اور اسلاموفوبیا کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی۔

مذکورہ بالا تمام کتب میں اسلام کو ایک غیر معروضی اور منفی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

### تنقیدات

بہت سے ممتاز مغربی مفکرین اور اسکالرز نے رابرٹ اسپنسر کی تحریروں پر تنقید کی، جن میں نمایاں نام یہ ہیں:

**جان ایل اسپوزیٹو**(John L. Esposito)

اسلام پر ان کی تحریروں کو غیر علمی اور جانبدار قرار دیا۔

**کارل ڈبلیو ارنسٹ**(Carl W. Ernst)

اسپنسر پر سیاسی ایجنڈے کی تکمیل کا الزام لگایا۔

**نوح فیلڈ مین**(Noah Feldman)

اسپنسر کے اسلام پر غیر معروضی اور سطحی نقطہ نظر کو تنقید کا نشانہ بنایا۔

**رابرٹ پیپ**(Robert Pape)

اس کے خیال میں کہ اسپنسر دہشت گردی کو بلاجواز طور پر اسلام سے جوڑتے ہیں۔

**جون کول**(Juan Cole)

اسپنسر پر اسلامی تعلیمات کی مسخ شدہ تعبیر کرنے کا الزام لگایا۔

**کیرن آرمسٹرانگ**(Karen Armstrong)

اسپنسر کے خیالات کو اسلاموفوبیا کو فروغ دینے والا قرار دیا۔

### جہادِ اسلامی کا دفاع

جہاد کو دہشت گردی سے جوڑنا حقائق کے منافی ہے۔ اسلام میں جہاد کا تصور بنیادی طور پر جدوجہد، دفاع اور ظلم کے خلاف مزاحمت کا ہے، نہ کہ جارحیت یا زبردستی مذہب مسلط کرنے کا۔ قرآن میں صاف ارشاد ہے:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا(الحج:39)

"اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا۔"

اسلام دشمنوں کے ساتھ صلح کو ترجیح دیتا ہے:

وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا(الانفال:61)

**اسلامی جہاد کا مقصد کبھی بھی مذہبی جبر یا دہشت گردی نہیں رہا، بلکہ ظلم کے خاتمے اور امن کے قیام کے لیے جدوجہد ہے۔**

**رابرٹ اسپنسر کا دعویٰ کہ "اسلام بذات خود ایک پر تشدد مذہب ہے" قرآن اور سیرتِ نبوی ﷺ کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے۔** قرآن کہتا ہے:

مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا(**المائدة**:32)

**رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا اور فرمایا:**

**"آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔"**

**اسلام نہ دہشت گردی کی اجازت دیتا ہے اور نہ ظلم کی۔ جو افراد قرآن و سنت کے نام پر دہشت گردی کرتے ہیں، وہ اسلام کی تعلیمات کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں۔**

## اثراتِ فکر

**رابرٹ اسپنسر کے خیالات نے مغرب میں اسلام کے خلاف نفرت، خوف اور تعصب کو فروغ دیا۔ اس کا بیانیہ 2011ء میں ناروے کے دہشت گرد آندرس بریوک کی تحریروں میں بھی نمایاں تھا، جس نے اسپنسر کا 64 مرتبہ حوالہ دیا۔ اسپنسر کے افکار نے مغربی پالیسیوں، میڈیا بیانیوں اور عوامی رویوں کو مسلمانوں کے خلاف سخت کر دیا اور عملی طور پر مسلمانوں کی آزادیوں کو محدود کرنے کی کوششوں کو جواز فراہم کیا۔**

گوشہ تحریکات

# (Revisionism Movement) کا تعارف

تحریر: ڈاکٹر حافظ سعید احمد

دنیا کے مختلف خطوں میں مختلف قسم کی تحریکات مختلف مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم عمل رہتی ہیں۔ بعض اوقات ان کے مقاصد واضح نہیں ہوتے، جبکہ بعض اوقات واضح ہوتے ہیں۔ "Revisionism Movement" (نظر ثانی کی) ایک ایسی تحریک ہے، جس کا مقصد تاریخی، سیاسی، اقتصادی یا مذہبی بیانیے کی دوبارہ تشریح یا چیلنج کرنے کی کوششیں ہیں۔ اور ان کا مقصد روایتی بیانیوں میں موجود تعصبات، غلطیوں یا سادہ ترین نقطہ نظر کو درست کرنا ہوتا ہے۔ اس تحریک کی جائے پیدائش جرمنی ہے۔ اس تحریک کا آغاز ایک فکری تبدیلی کے طور پر ہوا تھا، جس میں مختلف روایات اور نظریات کو چیلنج کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان تحریکوں میں مختلف رہنما اور علماء موجود ہیں، جنھوں نے مختلف شعبوں میں نئے زاویے پیش کیے ہیں۔ فیروز الدین شاہ کھگہ اپنے کتاب "مطالعہ اسلام اور استشراقی تنقیدات" میں لکھتے ہیں کہ مغربی دنیا میں گزشتہ تین دہائیوں سے قرآن کریم کی تاریخی حیثیت پر براہ راست تنقید کا رجحان بڑھا ہے۔ مغربی محققین اور مستشرقین اپنے سیاسی، معاشی، علمی اور مخصوص مذہبی مفادات کی بنیاد پر اسلام کے مصادر، خصوصاً قرآن کریم، حدیث اور اسلامی تاریخ کے بارے میں متنازعہ نظریات پیش کر رہے ہیں۔ اس میں ایک اہم پہلو "Revisionism" کا ہے، جس کا مقصد اسلامی احکام اور متون کی دوبارہ تشریح کرنا ہے۔

نظر ثانی تحریک (Revisionist School) ایک علمی رجحان ہے جو قرآن اور ابتدائی اسلامی تاریخ کے روایتی بیانیے کو چیلنج کرتا ہے۔ اس تحریک کے اہم محققین میں جان وانسبرو، پیٹریشیا کرون، مائیکل کک، اور گیرڈ آر. پُوئن شامل ہیں۔ اس تحریک کا آغاز 1970 کی دہائی میں لندن کی SOAS یونیورسٹی سے ہوا، جہاں وانسبرو کی کتابوں "Quranic Studies" اور "The Sectarian Milieu" نے اس رجحان کو جنم دیا۔ ذیل میں مذہبی نظر ثانی کی تحریک اور اس کے سرکردہ اسکالرز کا مختصر علمی تعارف بھی دیا جا رہا ہے۔

## (1) جان وانسبرو (John Wansbrough) کا تعارف:

جان وانسبرو (1928-2002) ایک معروف برطانوی مستشرق اور اسلامی مطالعہ کے ماہر تھے، جنھوں نے قرآن اور اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور پر تفصیلی تحقیق کی۔ ان کی اہم کتاب "Quranic Studies: Sources and Methods of Scriptural Interpretation" (1977) نے قرآن کی تشکیل اور اس کی تاریخی حیثیت کے بارے میں نئے زاویے پیش کیے۔

**بنیادی نکات:**

جان وانس برو اور ان کے پیروکاروں نے قرآن کی تشکیل کے حوالے سے چند اہم نکات پیش کیے:

**قرآن کی تدریجی تشکیل :**

ان کے مطابق، قرآن یکجا کتاب کی صورت میں نہیں آیا بلکہ مختلف اجزاء کی صورت میں عراق اور شام میں پھیل کر بعد میں یکجا ہوئے۔

**بائبل کی تنقید کا اطلاق :**

وانس برو نے بائبل کی تنقید کے طریقوں کو قرآن پر لاگو کیا، جیسے ماخذ پر تنقید اور تدوین پر تنقید۔

**حدیث اور سیرت کی تاریخی حیثیت:**

انہوں نے اسلامی روایات، جیسے حدیث اور سیرت کی تاریخی حیثیت پر سوال اٹھایا۔

## جان وانس برو پر تنقید

جان وانس برو (John Wansbrough) کی نظر ثانی کی تھیوری نے اسلامی تاریخ اور قرآن کی تشکیل پر کئی نئے زاویے پیش کیے، لیکن ان کی تحقیقات اور نظریات پر مختلف محققین اور علماء نے متعدد تنقیدیں کیں۔ وانس برو کی نظر ثانی کی کوششوں نے قرآن کی تاریخی حیثیت، اس کی تدوین، اور اسلامی روایات کی تشکیل کے حوالے سے کئی اہم سوالات اٹھائے تھے، جن پر ان کے ناقدین نے شدید اعتراضات کیے۔

**.1 قرآن کی تدریجی تشکیل پر اعتراضات:**

وانس برو نے قرآن کی تشکیل کو ایک تدریجی عمل قرار دیا، جس کے مطابق قرآن مختلف اجزاء میں عراق اور شام جیسے علاقوں میں پھیل کر ایک ساتھ جمع ہوئے۔ ان کے مطابق قرآن کا ایک مرتب اور یکجا متن نہ تھا، بلکہ اس کی تشکیل ایک طویل عمل تھا جو دوسرے صدی ہجری کے آخر میں مکمل ہوا۔ محمد محی الدین عبدہ جیسے علماء نے اس خیال کو غیر مستند اور بے بنیاد قرار دیا۔ ان کے مطابق قرآن کی تدریج سے تشکیل کا نظریہ قرآن کی مروجہ تفسیر سے متضاد ہے، جو قرآن کی وحدت اور اس کے ارتقاء کے بارے میں ایک مختلف نقطہ نظر پیش کرتا ہے۔ عبداللہ بن زید جیسے اہل علم نے بھی اس بات پر اعتراض کیا کہ قرآن کی واحد اور مکمل صورت میں تقدیر کا عمل مختلف اجزاء کی مستقل ترسیل سے نہیں آیا، بلکہ یہ ایک متعین اور وحی کے ذریعے مرتب ہوا۔

**.2 بائبل کی تنقید کا اطلاق:**

وانس برونے بائبل کی تنقید کے طریقوں جیسے "ماخذ تنقید" اور "تدوین تنقید" کو قرآن پر لاگو کیا۔ ان کے مطابق قرآن کی تشکیل بھی بائبل جیسی تھی، جس میں مختلف مواد کو مختلف کمیونٹیز نے تیار کیا اور بعد میں اس کو یکجا کیا۔ مؤرخین اور علماء نے اس تنقید کو قرآن کی تقدس کے منافی قرار دیا۔ قرآن کی بے خطا اور مقدس نوعیت کو برقرار رکھنے کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے، ان کا یہ نظریہ کئی لوگوں کے لیے ناقابل قبول تھا۔ جدید مفکرین نے بھی اس تنقید کو اسلامی روایات اور قرآن کے الفاظ کی روح کے خلاف سمجھا۔ ان کے نزدیک، قرآن کا پیغام اپنے اندر ایک وحدت رکھتا ہے اور اس کی تدوین کا عمل جغرافیائی حدود سے زیادہ ایک روحانی اور مقدس عمل تھا۔

**.3حدیث اور سیرت پر اعتراضات:**

وانس برونے حدیث اور سیرت کی تاریخی حیثیت پر بھی سوالات اٹھائے اور ان کے مطابق یہ روایات ایک طویل وقت کے دوران مختلف کمیونٹیز اور ان کے مفادات کے مطابق بنائی گئیں۔ اہل حدیث اور دیگر علماء نے اس تنقید کو غیر مستند قرار دیا، کیونکہ حدیث اور سیرت کی اہمیت کو اسلام میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ ان کے مطابق، یہ روایات اہل بیت اور صحابہ کے تجربات اور فہم پر مبنی ہیں اور ان کی تاریخی حیثیت کو کمزور نہیں کیا جا سکتا۔ مختلف محققین نے اس نظریے پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وانس برونے اسلامی تاریخ کے صحیح سیاق و سباق کو نظر انداز کیا اور روایات کی صحیح حیثیت پر سوالات اٹھا کر ایک ناقص تصور پیش کیا۔

**.4اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور پر سوالات:**

وانس برونے ابتدائی اسلامی تاریخ کو ایک متنازعہ نقطہ نظر سے پیش کیا اور ان کی تحقیق نے یہ تاثر دیا کہ ابتدائی اسلامی تاریخ میں کئی اہم واقعات کی حقیقت یا اس کے تسلسل پر سوالات اٹھائے جا سکتے ہیں۔ محققین نے اس تنقید کو اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ وانس برو کا نظریہ تھا کہ ابتدائی اسلام کی تاریخ میں بہت سے تصورات تخیلاتی یا غیر مستند ہو سکتے ہیں، لیکن یہ اسلامی تاریخ کے مسلمہ حقائق کو مسترد کرنا نہیں ہے۔ محمد اسد جیسے محققین نے ان کے نظریات کو تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ ایسا ردعمل اسلامی روایات کے بارے میں ان کے غیر متوازن اور سلیقے سے کی جانے والی تشریح کا نتیجہ ہے۔

**.5مفروضات کی بنیاد پر تنقید:**

وانس برو پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ انہوں نے اپنی تحقیق میں زیادہ تر مفروضات اور قیاس آرائیاں استعمال کیں، اور ان کے نظریات قرآنی متن یا اسلامی تاریخ کے بارے میں بہت کمزور ہیں۔ بعض مسلم اسکالرز کے خیال میں کہ وانس برو کی تحقیق پر زیادہ تر "ہو سکتا ہے" یا "شاید" جیسے مفروضات پر مبنی تھی، جس سے اس کے نظریات کی ساکھ پر سوالات اٹھتے ہیں۔ ان کے

مخالفین نے یہ بھی کہا کہ اسلامی علوم کے ایک عالم کی حیثیت سے ان کو قرآن اور اسلامی روایات کی تقدس اور حقیقت کا زیادہ احترام کرنا چاہیے تھا، جو انہوں نے نہیں کیا۔

جان وانس بروکی کی تھیوری نے قرآن اور اسلامی تاریخ کے مطالعے میں نئے زاویے متعارف کرائے ہیں، لیکن ان کی تحقیق پر کئی علماء اور محققین نے اعتراضات کیے ہیں۔ خاص طور پر قرآن کی تدریجی تشکیل اور بائبل کی تنقید کے طریقوں کے اطلاق کے حوالے سے ان کی تجاویز اسلامی روایات سے ہم آہنگ نہیں سمجھی گئیں۔ ان پر یہ الزامات بھی عائد کیے گئے ہیں کہ انہوں نے قرآن کی اصلی نوعیت کو نظر انداز کیا اور اسلامی تاریخ کی صحیح تفہیم کو مشتبہ بنایا۔ اس کے باوجود، وانس بروکی تحقیق نے قرآن اور اسلامی تاریخ کے مطالعے میں نئے خیالات اور تحقیق کی راہیں کھولیں، اور ان کی سوچ پر مسلسل بحث جاری ہے۔ ان کی تجدیدِ نظر کی تھیوری ایک ایسا موضوع ہے جس پر اب بھی محققین کی دلچسپی اور توجہ مرکوز ہے، اور مستقبل میں بھی یہ بحث جاری رہنے کا امکان ہے۔ اس کے اثرات مائیکل کک اور پیٹریکا کرون جیسے اہم محققین پر بھی مرتب ہوئے۔

## (2)مائیکل کک(Michael Cook)کا تعارف

مائیکل کک (Michael Cook) ایک ممتاز برطانوی محقق، تاریخ دان، اور اسلام کے ماہر ہیں، جن کی تعلیم، تدریس، اور تحقیق نے اسلامی تاریخ اور فقہ کے حوالے سے جدید نقطہ نظر کو فروغ دیا ہے۔ ان کی اہمیت خاص طور پر "تحریک نظر ثانی " (Islamic Revisionism Movement) میں ان کے کردار کی وجہ سے ہے۔ یہ تحریک اس بات کی کوشش کرتی ہے کہ اسلامی تاریخ کو ایک جدید، تنقیدی، اور سائنسی زاویے سے دوبارہ سمجھا جائے، تاکہ روایتی تاریخ کو چیلنج کیا جاسکے۔

مائیکل کک کا شمار ان محققین میں ہوتا ہے جو اسلامی تاریخ اور تہذیب کو نیا تنقیدی تناظر دینے کے لیے مشہور ہیں۔ وہ پرنسٹن یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ کے استاد ہیں اور اس سے قبل وہ کیمبرج یونیورسٹی کے ساتھ بھی منسلک رہے ہیں۔ ان کی تحقیق کا مرکز اسلامی تاریخ، قرآن کی تشریح، اور ابتدائی اسلامی دور کی سوشیل، سیاسی اور مذہبی تبدیلیاں ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں کہ تحریک نظر ثانی کا مقصد قدیم تاریخ کی تفاسیر پر نظر ثانی کرنا اور ان روایات کو نئے طریقے سے دیکھنا ہے جو مخصوص دینی اور ثقافتی بیانیوں کے ذریعے وقت کے ساتھ تبدیل ہو چکی ہیں۔ مائیکل کک نے اس تحریک میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے اور ابتدائی اسلامی تاریخ کی روایتی تفاسیر کو چیلنج کیا ہے۔

کک کا ماننا ہے کہ مسلمان مورخین نے اپنی ابتدائی تاریخ کو اس طرح مرتب کیا جو ممکنہ طور پر حقیقت سے زیادہ تخیلاتی اور مثالی تھا۔ ان کی تحقیق میں قرآن کی تاریخی تشکیل، ابتدائی اسلامی معاشرتی و سیاسی نظام، اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ وہ ان روایات کو دوبارہ جانچنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں تاکہ اسلامی تاریخ کو حقیقت کے قریب تر لایا جاسکے۔

مائیکل کک نے اپنی تدریس کا آغاز کیمبرج یونیورسٹی سے کیا، جہاں انہوں نے تاریخ اور اسلامی علوم کے بارے میں وسیع تحقیق کی۔ پھر وہ پرنسٹن یونیورسٹی میں پروفیسر کی حیثیت سے کام کرنے لگے، جہاں ان کا تدریسی کام اسلامی تاریخ، قرآن کی تفسیر اور اسلامی فکری روایات کے حوالے سے تھا۔ ان کے لیکچرز اور کورسز عالمی سطح پر مقبول ہیں، اور ان کی تدریس کا مقصد طلبہ کو اسلامی تاریخ کو تنقیدی طور پر سمجھنے کی ترغیب دینا ہے۔

مائیکل کک کی تحقیق کا بنیادی مقصد اسلامی تاریخ اور قرآن کو جدید سائنسی نقطہ نظر سے دیکھنا ہے۔ ان کی اہم تحقیق میں درج ذیل پہلو شامل ہیں:

1. **قرآن کا تاریخی تجزیہ** : مائیکل کک نے قرآن کے ابتدائی دور کی تاریخ پر تحقیق کی اور اس کے مختلف اجزا کے بارے میں سوالات اٹھائے کہ آیا ان کی موجودگی اور ترتیب وہی ہے جو روایتی بیانیوں میں بیان کی گئی ہے۔
2. **اسلامی تاریخ کی ابتداء** : کک نے ابتدائی اسلامی دور کے بارے میں روایات کا تجزیہ کیا ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ اس دور کی حقیقت کو جدید تحقیق کے ذریعے دوبارہ سمجھا جائے۔ ان کی تحقیق میں یہ سوالات بھی شامل ہیں کہ ابتدائی اسلامی معاشرت کس طرح تشکیل پائی اور کس طرح مسلمان ایک مشترکہ تاریخی بیانیہ تشکیل دینے میں کامیاب ہوئے۔
3. **مذہبی اور سماجی ارتقاء** : کک نے اس بات کی بھی تحقیق کی ہے کہ کس طرح ابتدائی اسلامی معاشرت میں مذہبی، سماجی اور سیاسی تبدیلیاں آئیں، اور ان تبدیلیوں کا اثر مسلمانوں کے مختلف نظریات اور عقائد پر کس طرح مرتب ہوا۔

مائیکل کک نے اسلامی تاریخ اور قرآن کے حوالے سے اپنی تحقیق کے ذریعے نہ صرف تحریک نظر ثانی کو تقویت دی بلکہ انفرادی طور پر بھی اس بات کی نشاندہی کی کہ اسلامی تاریخ کو روایتی تفاسیر کے بجائے ایک تنقیدی اور سائنسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے۔ ان کی تحقیق نے اسلامی فکروں اور تاریخ کو ایک نیا تنقیدی زاویہ فراہم کیا ہے، جو آج بھی اسلامی مطالعات کے میدان میں اہمیت رکھتا ہے۔

## (3) پیٹریکا کرون (Patricia Crone) کا تعارف

**پیٹریشیا کرون** (Patricia Crone) ایک ممتاز اسلامی اسکالر، محققہ، اور تدریسی ماہر تھیں جنہوں نے اسلامی تاریخ اور ابتدائی اسلامی معاشرت کے حوالے سے اہم تحقیق کی۔ ان کی تحقیق نے اسلامی تاریخ، قرآن، اور ابتدائی اسلامی دور کے حوالے سے روایتی تفاسیر کو چیلنج کیا اور انہیں ایک جدید تنقیدی نقطہ نظر سے سمجھنے کی کوشش کی۔ پیٹریشیا کرون کا تعلق **نظر ثانی تحریک**

(Revisionist Movement) سے تھا، جس کا مقصد اسلامی تاریخ کی روایات پر سوالات اٹھانا اور ان کو سائنسی اور تنقیدی نقطہ نظر سے دوبارہ جانچنا تھا۔

پیٹریشیا کرون 1945 میں پیدا ہوئیں اور ان کا زیادہ تر تحقیقی کام ابتدائی اسلام اور اس کی تاریخ پر مرکوز تھا۔ وہ عالمی سطح پر اسلامی تاریخ اور فکریات کی ماہر سمجھی جاتی ہیں۔ کرون نے اپنی ابتدائی تعلیم کیمبرج یونیورسٹی سے حاصل کی، اور بعد ازاں وہ پرنسٹن یونیورسٹی میں تدریس اور تحقیق کے شعبے سے وابستہ ہوئیں۔ ان کی اہمیت اس بات میں تھی کہ انہوں نے اسلامی تاریخ کو روایتی مروجہ تفاسیر سے ہٹ کر ایک جدید سائنسی اور تنقیدی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی۔

**تعلیم و تدریس:**

پیٹریشیا کرون نے اسلامی تاریخ اور علوم کے مختلف شعبوں میں تدریس کی، خاص طور پر ابتدائی اسلامی تاریخ، فقہ، اور قرآن کے تاریخی تناظر پر کام کیا۔ ان کی تدریسی خدمات نے نہ صرف جدید اسلامی تاریخ کی تحقیق کو آگے بڑھایا بلکہ اسلامی تاریخ کے طلباء اور محققین کو ایک نیا زاویہ فراہم کیا۔

ان کا تدریسی طریقہ کار ہمیشہ تحقیق پر مبنی اور سائنسی تھا، جہاں انہوں نے طلباء کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ تاریخ کو محض روایات کی بنیاد پر نہ دیکھیں بلکہ سائنسی تحقیق اور تنقیدی نقطہ نظر سے اس کا تجزیہ کریں۔

**تحقیق:**

پیٹریشیا کرون کی تحقیق کا مرکز ابتدائی اسلامی تاریخ، قرآن کی تشکیل، اور ابتدائی اسلامی معاشرت کے مختلف پہلوؤں پر تھا۔ ان کی تحقیق میں درج ذیل اہم پہلو شامل ہیں:

1. **اسلامی تاریخ کا تنقیدی تجزیہ:**

پیٹریشیا کرون نے ابتدائی اسلامی تاریخ کو جدید سائنسی طریقوں سے تجزیہ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اس بات پر سوالات اٹھائے کہ قدیم اسلامی روایات کس حد تک تاریخ کی حقیقت کو عکاسی کرتی ہیں اور کہاں کہاں ان میں مبالغہ آرائی یا فرضی بیانیے شامل ہو سکتے ہیں۔

2. **قرآن کی تاریخی تشکیل:**

کرون نے قرآن کی تاریخی تشکیل اور اس کی ابتدائی تفاسیر پر تحقیق کی۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ قرآن کی ابتدائی تحریر اور اس کے متن کا تجزیہ کرنے سے ہمیں اس کی اصل تشکیل اور ارتقاء کو بہتر طور پر سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔

3. **اسلامی معاشرتی و سیاسی ارتقاء:**

ان کی تحقیق میں یہ بھی شامل تھا کہ ابتدائی اسلامی معاشرت میں کس طرح سیاسی، مذہبی اور سماجی تبدیلیاں آئیں اور ان تبدیلیوں کا اثر مسلمانوں کی تاریخ اور ثقافت پر کیا پڑا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ان تبدیلیوں کو ایک سائنسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تاکہ اسلامی معاشرت کی حقیقت کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔

4. **"Hagarism" اور: "Arab Conquests"**

پیٹریشیا کرون اور *مائیکل کک* کی **مشہور کتاب** "Hagarism: The Making of the Islamic World" نے اسلامی تاریخ میں ایک نیا موڑ ڈالا۔ اس کتاب میں کرون نے قرآن اور اسلامی ابتدائی تاریخ کے حوالے سے ایک غیر روایتی نقطہ نظر پیش کیا، جس میں انہوں نے اس بات کی تحقیق کی کہ ابتدائی مسلمانوں کے بارے میں روایات کس طرح بیان کی گئی تھیں اور ان میں کتنی حقیقت ہو سکتی ہے۔

پیٹریشیا **کرون کا** نظر ثانی تحریک (Islamic Revisionism Movement) میں بہت اہم کردار تھا۔ یہ تحریک اسلامی تاریخ اور قرآن کی روایتی تفاسیر کو چیلنج کرنے کی کوشش کرتی ہے، اور اس میں وہ محققین شامل ہیں جو ابتدائی اسلامی تاریخ کو جدید تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کرون نے اس تحریک میں شریک ہو کر اسلامی تاریخ کے حوالے سے روایتی بیانیوں کو تنقیدی انداز میں جانچنے کی اہمیت پر زور دیا۔

- **اسلامی روایات کو چیلنج کرنا:** کرون نے روایتی اسلامی روایات اور تاریخ کے بیانیے کو سوالات کے دائرے میں لایا۔ انہوں نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ اسلامی تاریخ میں قدیم ترین روایات پر کتنا انحصار کیا گیا اور ان میں کتنی حقیقت ہو سکتی ہے۔
- **ابتدائی اسلامی معاشرت:** کرون نے اس بات پر بھی تحقیق کی کہ ابتدائی اسلامی معاشرت میں کیسے معاشی، سیاسی، اور مذہبی تبدیلیاں آئیں اور ان تبدیلیوں نے اسلامی دنیا کو کس طرح متاثر کیا۔

پیٹریشیا کرون کی تحقیق اور کام نے نہ صرف نظر ثانی تحریک کو تقویت دی بلکہ اسلامی تاریخ اور فکر میں ایک نیا تنقیدی زاویہ پیش کیا۔ ان کی تحقیقات نے اسلامی تاریخ کو دوبارہ دیکھنے کی ضرورت کو اجاگر کیا اور اس بات کی اہمیت پر زور دیا کہ تاریخ کو سائنسی طریقوں اور تنقیدی نقطہ نظر سے سمجھا جائے۔ ان کا کام آج بھی اسلامی مطالعات میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

## (4) گیرڈ پوئن (Gerd R. Puin) کا تعارف

گرڈ آر. پُوئن (Gerd R. Puin): قرآن کے ابتدائی نسخوں پر تحقیق کرنے والے محقق کے طور پر معروف ہوئے۔ وہ 1940 میں جرمنی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1962 سے 1969 تک اسلامک اسٹڈیز، اکنامک جیوگرافی اور اکنامک پالیسی کی تعلیم حاصل کی۔ 65-1964 میں وہ ریاض یونیورسٹی میں بطور غیر مسلم محقق کے طور پر سات ماہ گزار چکے ہیں۔ بعد ازاں، انہوں نے ہیمبرگ کے جرمن اورینٹل انسٹی ٹیوٹ میں کام کیا اور 1972 میں یونیورسٹی میں تدریس کا آغاز کیا۔ وہ قرآن کے قدیم نسخوں کی خطاطی اور املا کے ماہر ہیں۔

## گیرڈ آر. پُوئن کی تحقیق اور اس کے اثرات

گیرڈ آر. پُوئن نے 1981 سے 1985 تک یمن کے شہر صنعا کی عظیم مسجد میں قرآن کے قدیم نسخوں پر تحقیق کی۔ یہ نسخے 1972 میں مسجد کی مرمت کے دوران دریافت ہوئے تھے۔ پُوئن کی قیادت میں کی جانے والی اس تحقیق میں 15,000 سے زائد قرآن کے نسخوں کو صاف، درجہ بندی اور فوٹوگراف کیا گیا، اور 35,000 مائیکروفلم تصاویر تیار کی گئیں۔

پُوئن نے ان نسخوں کا تجزیہ کرتے ہوئے کئی اہم نکات پیش کیے:

- **غیر معمولی آیات کی ترتیب**: کچھ آیات کی ترتیب روایتی نسخوں سے مختلف تھی۔
- **املا میں فرق**: قدیم نسخوں میں املا کے معمولی فرق پائے گئے۔
- کچھ نسخے ایسے تھے جن پر پہلے سے لکھا مواد مٹایا گیا تھا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کا متن وقت کے ساتھ تبدیل ہوا۔
- **زبان کا اثر**: پُوئن نے یہ تجویز پیش کی کہ قرآن کے کچھ حصے ارامیائی زبان کے اثرات رکھتے ہیں، جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ قرآن کا متن ابتدائی طور پر مکمل نہیں تھا۔

ان نتائج نے قرآن کے متن کی تاریخ اور ترقی کے بارے میں روایتی نظریات کو چیلنج کیا اور نظر ثانی تحریک کے محققین کے لیے نئے راستے کھولے۔ پُوئن کی تحقیق نے اسلامی دنیا میں مختلف ردعمل پیدا کیے ہیں۔ کچھ محققین نے ان کے نتائج کو مفید سمجھا، جب کہ دیگر نے انہیں متنازعہ قرار دیا۔ پُوئن نے خود کہا کہ "اگر قرآن واضح نہیں ہے، تو اسے کسی بھی زبان میں ترجمہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

گوشہ علاقہ

# استشراق کا مطالعہ ایران میں

تحریر و تحقیق: طوبیٰ گل پی۔ایچ۔ڈی ریسرچ اسکالر یونیورسٹی آف ایجوکیشن لاہور

ایران صدیوں سے اسلامی تہذیب و تمدن کا درخشندہ مرکز رہا ہے، قرآن مجید کے علمی مطالعے میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ ایرانی اسکالرز نے نا صرف اسلامی روایت کے دائرے میں قرآن فہمی کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کی، بلکہ مغربی استشراق کے مقابلے میں بھی اپنی علمی اور تحقیقی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے قرآن کا مطالعہ تاریخی، لسانی، فلسفیانہ اور سماجیاتی زاویوں سے بھی کیا اور ایک جامع اور تنقیدی رویہ اختیار کیا۔ اس مضمون میں ہم ایران میں استشراق کے مطالعے کی روایت اور اس کے نمایاں کرداروں کا ابتدائی تعارف پیش کریں گے۔

## استشراق: مفہوم اور پس منظر

استشراق سے مراد مغربی اہلِ علم کا مشرقی تہذیبوں، خصوصاً اسلام اور اسلامی معاشروں کے مطالعے کا وہ رجحان ہے جو علمی تجسس کے ساتھ ساتھ سامراجی عزائم، ثقافتی تعصب اور مذہبی برتری کے رنگ میں بھی رنگا ہوا رہا ہے۔ ایڈورڈ سعید نے اپنی مشہور کتاب *Orientalism* میں استشراق کو مغربی طاقتوں کے ایک فکری آلہ کے طور پر پیش کیا، جو مشرقی دنیا کو غیر ترقی یافتہ اور مغربی دنیا کو برتر دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگرچہ استشراق نے مشرقی معاشروں کے بارے میں بہت سا علمی سرمایہ فراہم کیا ہے، لیکن اس تحریک پر اکثر جانبداری، علمی بددیانتی اور سامراجی ذہنیت کے اثرات کے الزامات بھی عائد ہوتے رہے ہیں۔

## مطالعہ استشراق کی روایت: ایران میں

ایران میں استشراق کا مطالعہ ایک مخصوص انداز میں پروان چڑھا ہے، جو مغربی استشراق سے کئی لحاظ سے مختلف ہے۔ یہاں دو رجحانات نمایاں ہیں:

### .1 استشراق سے متاثر اسکالرز

ایرانی محققین کا ایک گروہ مغربی علمی طریقوں ــــ جیسے تاریخی تنقید، ادبی تجزیہ اور سماجیاتی تحقیق ــــ کو اپناتے ہوئے قرآن کا مطالعہ کرتا ہے۔ ان کا زاویہ نظر قرآن کو ایک تاریخی اور ثقافتی متن کے طور پر سمجھنے پر مرکوز ہوتا ہے۔

نمایاں ناموں میں عبدالکریم سروش، محمد مجتہد شبستری اور حسن یوسفی اشکوری شامل ہیں، جو وحی کو نبی اکرمؐ کے قلبی تجربے کا اظہار سمجھتے ہیں۔

### 2. مستشرقین کو جواب دینے والے محققین

دوسرا گروہ ان محققین پر مشتمل ہے جو مغربی مستشرقین کی جانب سے اٹھائے گئے اعتراضات کا علمی دفاع کرتے ہیں۔ یہ محققین اسلامی اصولوں کے دائرے میں رہتے ہوئے قرآن کی صداقت اور عظمت کا دفاع کرتے ہیں۔ جعفر سبحانی، محمد ہادی معرفت اور دیگر علمائے تفسیر اس رجحان کی نمایاں شخصیات ہیں۔

#### 1. محمد علی امیر معزی (Mohammad Ali Amir-Moezzi)

محمد علی امیر معزی ایک ممتاز ایرانی-فرانسیسی محقق ہیں جنہوں نے شیعہ اسلام کی ابتدائی تاریخ، باطنی فکر اور قرآنی علوم پر گراں قدر کام کیا۔ ان کی علمی خدمات نے نہ صرف اسلامی علوم کے مختلف شعبوں میں اہمیت حاصل کی بلکہ مغربی دنیا میں شیعہ فکر کو نئے انداز سے متعارف کرایا۔

**اہم تصانیف:**

محمد علی امیر معزی کی اہم ترین تصانیف میں *The Divine Guide in Early Shi'ism* شامل ہے جو شیعہ فکریات کی ابتدا اور اس کے باطنی پہلوؤں پر گہرائی سے روشنی ڈالتی ہے۔ اسی طرح، انہوں نے *Encyclopedia Iranica* اور *Brill Encyclopedia of Islam* کے لیے بھی مقالے لکھے جو ان کی وسیع تحقیق کی عکاسی کرتے ہیں۔

**تحقیقی پہلو:**

امیر معزی کی تحقیق کا مرکزی نقطہ شیعہ فکر کی ابتدائی جڑوں اور اس کی باطنی جہتوں کی تلاش ہے۔ انہوں نے شیعہ فکر کو روحانی سطح پر اجاگر کیا اور اس کے معنوی اور باطنی پہلوؤں کو اہمیت دی۔ ان کی تحقیق نے شیعہ فکر کو محض ایک مذہبی روایت سے بڑھ کر ایک گہرے روحانی تجربے کے طور پر پیش کیا۔

ایک اور اہم پہلو جس پر امیر معزی نے زور دیاوہ عقل (Aql') کی نئی تعریف ہے۔ انہوں نے عقل کو محض منطقی فہم سے تعبیر نہیں کیا، بلکہ اسے "مقدس فہم (Hero-intelligence)" کی حیثیت دی جو روحانی و مذہبی تجربات کو سمجھنے اور سمجھانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

امیر معزی نے استشراق کی روایتی تعصبات پر علمی تنقید کی اور مغربی قارئین کے لیے اسلامی معارف کو نئے طریقے سے پیش کیا۔ ان کا یہ کام نہ صرف اسلامی دنیا کو مغرب میں بہتر طور پر متعارف کرانے کی کوشش تھی بلکہ انہوں نے اسلامی فکریات کے لیے ایک زیادہ جامع اور متوازن نقطہ نظر پیش کیا۔

محمد علی امیر معزی کی تحقیق نے شیعہ اسلام، اس کے فلسفے اور تاریخ کو نئے زاویوں سے سمجھنے کا موقع فراہم کیا۔ ان کی علمی خدمات نہ صرف شیعہ فکر کو مزید گہرائی میں لانے کا باعث بنیں بلکہ انہوں نے مغربی دنیا میں اسلامی معارف کو ایک نئی روشنی میں پیش کیا۔ ان کی تصانیف اور تحقیق اسلامی علوم کی ترقی میں اہم سنگ میل ثابت ہوئیں۔

## 2۔ سید حسین نصر

سید حسین نصر ایک بلند پایہ ایرانی-امریکی فلسفی اور اسلامی روحانیت کے نمائندہ مفکر ہیں، جنہوں نے عصرِ حاضر میں اسلامی حکمت، دینی روایت اور روحانی مرکزیت کو گہرائی سے اجاگر کیا۔ ان کا علمی و فکری سفر مشرقی حکمت اور مغربی جدیدیت کے درمیان ایک سنجیدہ مکالمے کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں وہ اسلامی روایت کی روشنی میں جدید دنیا کے فکری بحرانوں کا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔

سید حسین نصر کا تعلق ایک علمی خانوادے سے تھا۔ انہوں نے جدید سائنسی تعلیم امریکہ میں حاصل کی، لیکن جلد ہی محسوس کیا کہ مغرب کی سائنسی ترقی کے ساتھ روحانی و اخلاقی زوال بھی جڑا ہوا ہے۔ اسی احساس نے انہیں اسلامی فلسفے، صوفیانہ حکمت اور روایتی علوم کی طرف متوجہ کیا۔ انہوں نے اس فکری سفر کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا کہ وہ اسلامی حکمت کو جدید دنیا کے سامنے ایک زندہ اور معتبر روایت کے طور پر پیش کریں۔

**اہم تصانیف:**

سید حسین نصر کی اہم کتابوں میں Knowledge and the Sacred کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، جس میں انہوں نے علم کی روحانی بنیادوں کو اجاگر کیا ہے۔ ان کی کتاب Islam and the Plight of Modern Man میں انہوں نے جدید انسان کے فکری و روحانی بحران کا تجزیہ پیش کیا، اور اس کا حل اسلامی حکمت میں تلاش کیا۔ اسی طرح Science and Civilization in Islam میں انہوں نے اسلامی تہذیب کے سائنسی اور فکری پہلوؤں کو تاریخی سیاق و سباق میں بیان کیا۔

**تحقیقی پہلو:**

سید حسین نصر کی فکری کاوشوں کا ایک اہم پہلو مغربی علم پر تنقیدی نظر ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مغربی دنیا نے علم کو محض مادی حقیقتوں تک محدود کر دیا ہے، جس کی وجہ سے انسان روحانی جڑوں سے کٹ چکا ہے۔ نصر "روحانی مرکزیت "

(spiritual centrality) کو انسانی زندگی کی اصل اساس قرار دیتے ہیں اور علم کو صرف معلومات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مقدس امانت سمجھتے ہیں، جو انسان کو حقیقتِ مطلقہ کی طرف رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

ان کے نزدیک اسلام کوئی جامد تاریخی مظہر نہیں بلکہ ایک زندہ، ہمہ گیر اور روحانی حقیقت ہے، جو ہر دور میں انسان کی راہنمائی کر سکتی ہے۔ ان کی تحریریں جدید انسان کو اپنی روحانی وراثت کی طرف متوجہ کرنے کی ایک سنجیدہ کوشش ہیں۔

سید حسین نصر مشرق اور مغرب کے درمیان فکری پل بناتا ہے۔ اور اسلامی روحانیت کو ایک زندہ روایت کے طور پر پیش کرتے ہیں، جو نا صرف ماضی سے جڑی ہے بلکہ حال اور مستقبل میں بھی انسان کی روحانی پیاس بجھانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ان کی تحریریں آج کے فکری طور پر منتشر انسان کے لیے روشنی کا ایک مینار ہیں۔

ایران میں استشراق کا مطالعہ ایک منفرد روایت رکھتا ہے، جہاں ایک طرف مغربی علمی طریقوں کو اپناتے ہوئے قرآن کا نیا تنقیدی مطالعہ کیا گیا، تو دوسری طرف اسلامی روایت کے اندر رہ کر مغربی اعتراضات کا مدلل اور سنجیدہ جواب بھی فراہم کیا گیا۔ محمد علی امیر معزی اور سید حسین نصر جیسے محققین نے استشراق کے میدان میں ایرانی علمی دنیا کو نہ صرف نمایاں کیا، بلکہ اسلامی فکر کی معنویت اور گہرائی کو بھی عالمی سطح پر روشناس کرایا۔

# کارپس قرآنیکم

## (جرمن منصوبہ)

### تحریر و تحقیق: ڈاکٹر محمد عرفان

جرمن مستشرقین نے قرآن کے مطالعے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے اور ان کے کام کو اسلامی علوم میں گہرے تجزیے کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ جرمن استشراق کا قرآنی مطالعہ کئی اہم پہلوؤں پر مشتمل ہے، جن میں تاریخی، لغوی، متنی تنقید، اور تفسیر شامل ہیں۔

### قرآن کا تاریخی و متنی تنقیدی مطالعہ

### تھیوڈور نولدیکے (Theodor Nöldeke)

- ان کی کتاب *"Geschichte des Qorans"* (قرآن کی تاریخ) قرآنی علوم میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔
- انہوں نے قرآن کو ایک تاریخی متن کے طور پر دیکھا اور اس کے نزول کی ترتیب (Chronological Order) پر کام کیا، جو روایتی ترتیب (عثمانی مصحف) سے مختلف تھی۔
- بعد میں شوالے (Schwally)، برجسٹریسر (Bergsträsser) اور پریٹزل (Pretzl) نے قرآنی قراءتوں، رسم الخط، اور متونِ قدیمہ کے مطالعے میں تحقیق کو آگے بڑھایا۔

یہ تحقیقات اسلامی دنیا میں نزولِ وحی، تدوینِ قرآن، اور قرآنی تاریخیّت کے حوالے سے ایک نئی بحث کا سبب بنیں۔

### . قرآنی لغت و اسلوب پر تحقیق

### آرتھر جیفری (Arthur Jeffery)

ان کی کتاب *"The Foreign Vocabulary of the Qur'an"* قرآنی الفاظ کے "غیر عربی" ماخذات پر تحقیق کا شاہکار سمجھی جاتی ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ قرآن میں سریانی، عبرانی، آرامی، فارسی اور حبشی زبانوں سے اخذ شدہ الفاظ موجود ہیں۔

### ہیلمٹ رٹر (Hellmut Ritter)

صوفیانہ زبان اور اسلوب پر مہارت رکھتے تھے، مگر قرآنی اسلوب کو ادبی و لسانی تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی۔

### گولڈزیہر (Ignaz Goldziher)

گولڈزیہر کی وجہ شہرت حدیث ہے لیکن ان کے قرآنی تفاسیر پر نوٹس بھی مستند مانے جاتے ہیں۔ ان کا مؤقف یہ تھا کہ اسلامی فکر اور فقہ، قرآن کے بجائے حدیث اور سماجی عوامل سے زیادہ متاثر ہوئی۔ اس زاویے سے قرآن کو صرف مذہبی نہیں بلکہ لسانی و تہذیبی مظہر کے طور پر دیکھا گیا۔

### . قرآنی تفاسیر اور اسلامی علوم پر تحقیق

**جوزف شاخت(Joseph Schacht)**

جوزف شاخت نے اسلامی فقہ کی ابتدائی ادوار پر تحقیق کی اور مختلف تھیوریز پیش کیں اور قرآن کے ضمن میں یہ نکتہ پیش کیا کہ شریعت کو براہ راست قرآن سے اخذ نہیں کیا گیا بلکہ بعد کے ادوار میں یہ کام سرانجام دیا گیا۔ اسی طرح مزید لکھتا ہے کہ بہت سی احادیث اور فقہی آراء قرآن کے بعد کے معاشرتی تناظر کی پیداوار ہیں۔

**(Günter Lüling)**

اس نے دعویٰ کیا کہ قرآن کے کچھ حصے پہلے سے موجود مسیحی یا سریانی نعتیہ ادب پر مبنی ہیں، اور کہ قرآن کی ابتدا monotheistic hymns سے ہوئی۔

**(Christoph Luxenberg)**

اس نے نے قرآنی زبان کو "سریانی- آرامی" کے تناظر میں پڑھنے کی کوشش کی۔ ان کا استدلال تھا کہ قرآن کی بہت سی "مبہم" آیات سریانی یا آرامی لغت کے ذریعے بہتر سمجھی جاسکتی ہیں۔ ان کا کام خاصا متنازعہ ہے، لیکن مغرب میں کافی پذیرائی بھی حاصل ہوئی۔ یہ زاویہ قرآن کی تفسیر کو کلاسیکی اسلامی تناظر سے ہٹا کر بین اللسانی و بین الادیانی فریم میں رکھتا ہے۔

جرمنی میں قرآنی مطالعات نے ایک عقلی، تاریخی، اور لسانی تنقیدی روایت کو جنم دیا، جو اسلامی دنیا میں مستند لیکن بعض اوقات ناپسندیدہ سمجھی جاتی ہے۔ ان مستشرقین کی کوشش یہ تھی کہ قرآن کو "ایسا متن" سمجھا جائے جس کا مطالعہ دوسرے قدیم متون (جیسے بائبل) کی طرح کیا جاسکے۔

## قرآنی نسخوں پر تحقیق

کارپس قرآنیکم ایک جرمن- فرانسیسی تحقیقی منصوبہ ہے جو قرآن کے تنقیدی ایڈیشن (Critical Edition) کی تیاری کے لیے شروع کیا گیا۔ اس کی بنیاد مشہور جرمن مستشرق برگسٹریسر (Bergsträsser) نے 1929ء میں رکھی، جنہوں نے قرآنی نسخوں کی تصاویر جمع کیں، مگر وہ 1933ء میں انتقال کر گئے۔ ان کے بعد پریٹزل نے اس پر کام جاری رکھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران خیال کیا گیا کہ یہ مواد تباہ ہو گیا، لیکن بعد میں انکشاف ہوا کہ یہ کام محفوظ تھا۔ 2007ء میں پروفیسر

انجیلیکا نورتھ کی سربراہی میں یہ منصوبہ دوبارہ Corpus Coranicum کے نام سے شروع کیا گیا، جو 2025ء تک جاری رہے گا۔

**منصوبے کا مقصد:**

- قرآن مجید کا وہی تاریخی و لسانی تنقیدی مطالعہ کرنا، جو یورپ میں بائبل پر کیا گیا۔
- قرآن کے متن، قراءات، رسم الخط اور دیگر نسخوں کا موازنہ کر کے ایک تحقیقی بنیاد فراہم کرنا۔
- قرآنی آیات کو ان کے قدیم ترین نسخوں میں دیکھنا اور ان میں لسانی تغیرات، تحریری سہو یا اصلاحات کا جائزہ لینا۔

**اہم تحقیقی پہلو:**

- قرآنیکم ڈیٹابیس میں قرآن کے متعدد قدیم نسخے، قراءات، اور دیگر قدیم متون موجود ہیں۔
- ان متون کو "Texts from the Environment of the Qur'an (TEQ)" کے تحت فراہم کیا گیا ہے تا کہ قرآن کے نزولی دور کے ثقافتی و مذہبی پس منظر کو سمجھا جا سکے۔
- دمشق سے حاصل کردہ ایک قدیم نسخہ جو حجازی رسم الخط میں لکھا گیا ہے۔
- سورہ بنی اسرائیل (17:35) تا سورہ یٰسین (36:57) مسلسل 77 اوراق پر محفوظ ہے۔
- ریڈیو کاربن ڈیٹنگ سے معلوم ہوا کہ یہ نسخہ 648 تا 674ء میں لکھا گیا، یعنی نبی ﷺ کے وصال کے صرف چند دہائیوں بعد۔
- اس میں حرکات و اعراب، رسم الخط کی معمولی تبدیلیاں، اور بعض قراءات کے اثرات دکھائی دیتے ہیں، لیکن قرآنی متن کی مطابقت آج کے قرآن سے مکمل ہے۔
- مغربی اسکالرز اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ قرآن ابتدا ہی سے "fixed text" یعنی غیر متغیر متن کی صورت میں موجود رہا۔ قدیم نسخوں میں موجود معمولی اختلافات رسم الخط یا قراءات کے دائرے میں آتے ہیں، متن میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں۔ اس منصوبے کا مقصد اگرچہ تنقیدی مطالعہ ہے، لیکن اس کا ایک مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ اس سے قدیم قرآنی نسخوں، ان کے عکس، اور تفصیلی مطالعے تک عام علمی رسائی ممکن ہوئی ہے۔

اگرچہ مغربی نقطہ نظر میں وحی اور تقدس کو تسلیم نہیں کیا جاتا، مگر قرآنی متن کی حفاظت کا دعویٰ تاریخی و مادی شواہد سے تقویت پا رہا ہے۔ جیسا کہ قرآن خود اعلان کرتا ہے " : اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ " الحجر:9

"ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"

گوشہ تعارف و تبصرہ کتب

# Orientalismmmm کتاب کا تجزیاتی مطالعہ

تحریر و تحقیق: متعلم محمد اسامہ (گفٹ یونیورسٹی گوجرانوالہ)

ایڈورڈ سعید (Edward Said) فلسطینی نژاد امریکی دانشور تھے جنہوں نے مغربی دنیا کی مشرق کے بارے میں تشکیل کردہ تصورات کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس کی کتاب (1978) Orientalism علمی دنیا میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ اس کتاب نے علمی، ادبی، اور ثقافتی میدانوں میں نئی بحثوں کو جنم دیا، جس نے مغرب اور مشرق کے درمیان قائم کردہ علمی تفریق کو چیلنج کیا۔ ان کے مطابق "Orientalism" صرف ایک علمی یا ادبی اصطلاح نہیں، بلکہ ایک ایسا فکری نظام ہے جو مغربی دنیا نے مشرقی اقوام پر سیاسی، ثقافتی، اور علمی غلبہ حاصل کرنے کے لیے تشکیل دیا۔ یہ مضمون اس نظریے کا تنقیدی اور مفصل جائزہ لیتا ہے تاکہ قارئین کو اس کی گہرائی اور وسعت کا شعور حاصل ہو۔

سوانح حیات:

ایڈورڈ سعید 1 نومبر 1935 کو یروشلم میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ایک عیسائی عرب خاندان سے تھا۔ بچپن فلسطین، مصر اور لبنان میں گزرا۔ اور ابتدائی تعلیم قاہرہ میں حاصل کی، بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ چلے گئے، جہاں انہوں نے پرنسٹن اور ہارورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ وہ کولمبیا یونیورسٹی نیویارک میں انگریزی اور تقابلی ادب کے پروفیسر رہے۔

سعید نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں Culture and Imperialism، Covering Islam، اور The Question of Palestine شامل ہیں، مگر ان کی شہرت کا سب سے بڑا سبب Orientalism ہے۔ وہ نا صرف ایک ادبی نقاد بلکہ فلسطینی عوام کے حقوق کے ایک پرجوش وکیل بھی تھے۔ ان کا انتقال 25 ستمبر 2003 کو نیویارک میں ہوا۔ اس کی فکری میراث آج بھی علمی دنیا میں زیرِ بحث ہے۔

## Orientalism کا مفہوم اور پسِ منظر

لفظ "Orientalism" دراصل "Orient" یعنی مشرق سے ماخوذ ہے۔ اس اصطلاح کو استعمال کرتے ہوئے Edward Said نے مغرب کے اس رویے کو بیان کیا جس کے تحت مشرق کو ایک اجنبی، غیر مہذب، اور غیر منطقی معاشرہ قرار دے کر پیش کیا گیا۔ Orientalism کے تحت مشرقی دنیا کو ایسی سرزمین کے طور پر دیکھا گیا جو طلسماتی، پرکشش مگر پسماندہ ہے، جہاں کے لوگ جذباتی، غیر سائنسی، اور تمدنی طور پر غیر ترقی یافتہ ہیں۔

سعید کے مطابق یہ تصور محض علمی تجسس کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک منظم فکری، ادبی اور سیاسی منصوبہ تھا۔ یہ مغرب کی برتری کے اس نظریے کا حصہ تھا جس کے تحت اس نے اپنے آپ کو مہذب، عقلی، اور منطقی قرار دے کر مشرقی دنیا پر حکمرانی کا جواز پیدا کیا۔

## Edward Said کے بنیادی دلائل

سعید کے نظریے کی بنیاد تین اہم نکات پر ہے:

### 1. علم اور طاقت کا تعلق

Orientalism کے ذریعے مغرب نے مشرق کے بارے میں علم پیدا کیا، لیکن یہ علم معروضی نہیں تھا بلکہ طاقت کے ایک وسیع نظام کا حصہ تھا۔ مغربی اسکالرز نے مشرق کو جس طرح بیان کیا، وہ ان کی سیاسی و عسکری طاقت کی عکاسی کرتا تھا۔

### 2. نمائندگی کا حق :

مغرب نے مشرق کی نمائندگی کا حق خود کو دیا۔ انہوں نے مشرق کے افراد کو اتنا اہل نہیں سمجھا کہ وہ اپنی پہچان یا تہذیب کا اظہار خود کر سکیں۔ اس طرح مشرقی آوازیں پسِ پشت ڈال دی گئیں، اور مغرب کے نقطہ نظر کو ہی مستند مانا گیا۔

### 3. دوئی پر مبنی تصور(Binary Opposition)

مغرب اور مشرق کو ایک دوسرے کی ضد کے طور پر پیش کیا گیا۔ مغرب کو عقل، ترقی، اور تہذیب کی علامت جبکہ مشرق کو جہالت، پسماندگی، اور جنسی بے راہ روی کا نمائندہ سمجھا گیا۔ اس دوئی نے مشرق کو مستقل طور پر دوسرے درجے کی تہذیب میں تبدیل کر دیا۔

## ادب اور میڈیا میں مشرق کی تصویر کشی

Edward Said نے مغربی ادب، فلموں اور دیگر ثقافتی ذرائع میں مشرق کی تصویر کشی کو تفصیل سے بیان کیا۔ جوزف کونریڈ کا ناول Heart of Darkness افریقہ کو تاریکی، وحشت اور جنگلی پن کا نمائندہ بنا کر پیش کرتا ہے۔ اسی طرح E. M. Forster کا A Passage to India مشرقی کرداروں کو غیر یقینی، غیر عقلی اور پسماندہ دکھاتا ہے۔

ہالی ووڈ فلموں میں عرب دنیا کو اکثر دہشت گردی، ظلم، یا حد درجہ جنسی کشش کے تناظر میں دکھایا جاتا ہے۔ میڈیا رپورٹس میں مشرقی دنیا کی خبریں اکثر منفی انداز میں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ سب مظاہر اس بات کی علامت ہیں کہ Orientalism آج بھی مختلف شکلوں میں موجود ہے۔

## مشرقی اقوام کی مخصوص مثالیں

**ہندوستان :** برطانوی colonization نے ہندوستان میں نا صرف سیاسی حکمرانی کی بلکہ علمی سطح پر بھی اسے "غیر متمدن" اور "منجمد تہذیب" کے طور پر پیش کیا۔ ولیم جونز جیسے سکالرز نے سنسکرت ادب کا ترجمہ کیا، مگر ان تراجم میں بھی مغربی برتری کا رویہ جھلکتا ہے۔ انگریزوں نے ہندو مسلم تقسیم کو گہرا کیا اور اپنی حکمرانی کو "تمدن کی روشنی" کے طور پر پیش کیا۔

1. **مصر :** نپولین بوناپارٹ کی مصر پر چڑھائی صرف فوجی مہم نہ تھی بلکہ ساتھ میں 150 سے زائد ماہرین کو لے جایا گیا جو مصر کی تہذیب، آثارِ قدیمہ، اور زبان پر تحقیق کرتے رہے۔ ان تحقیقات نے مغرب میں مصر کو ایک طلسماتی اور ماضی پرست معاشرہ بنا کر پیش کیا، جسے جدیدیت کی ضرورت ہے۔
2. **ایران :** ایرانی تہذیب کو مغربی مستشرقین نے اکثر قدیم عظمت اور موجودہ زوال کے تضاد کے طور پر بیان کیا۔ جدید ایران کو مذہبی انتہاپسندی اور جبر کا نمائندہ بنا کر پیش کیا گیا، جب کہ مغرب اپنے آپ کو آزادی اور جمہوریت کا علمبردار ظاہر کرتا رہا۔
3. **چین اور جاپان :** اگرچہ مشرقِ بعید میں کچھ مثبت پہلو بھی بیان کیے گئے، مگر اکثر انہیں ایک غیر لچکدار، روایتی، اور اجنبی تہذیب کے طور پر دیکھا گیا۔ چینیوں کو اکثر محنتی مگر غیر تخلیقی جبکہ جاپانیوں کو تکنیکی مگر غیر انسانی نظاموں سے وابستہ دکھایا گیا۔

## colonization اور Orientalism کا باہمی تعلق

colonization طاقتوں نے Orientalism کو اپنے غلبے کے جواز کے طور پر استعمال کیا۔ جب برطانیہ، فرانس اور دیگر یورپی طاقتیں ایشیا اور افریقہ پر قابض ہوئیں تو انہوں نے مشرقی اقوام کو غیر مہذب اور کم فہم قرار دے کر ان پر حکمرانی کو اپنا حق سمجھا۔ یہ رویہ نہ صرف فوجی اور سیاسی سطح پر بلکہ تعلیمی اور ثقافتی میدان میں بھی اپنایا گیا۔

فرانسیسی اسکالر ارنسٹ رینان نے کہا تھا کہ مشرقی اقوام علمی تحقیق اور فلسفہ میں مغرب کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، اس لیے ان پر حکمرانی مغرب کا فرض ہے۔ اس قسم کی سوچ colonization عزائم کی بنیاد تھی۔ مشرقی کتب، زبانیں، اور ثقافتیں مغربی فریم ورک کے تحت سمجھائی گئیں، اور مقامی روایتوں کو کم تر سمجھا گیا۔

تنقید اور علمی اثرات

اگرچہ Orientalism کو علمی دنیا میں بڑی اہمیت حاصل ہوئی، لیکن کچھ اسکالرز نے اس پر تنقید بھی کی۔ ایجاز احمد جیسے دانشوروں کا خیال ہے کہ سعید نے مغربی دنیا کے تمام علمی اداروں کو یکساں انداز میں تنقید کا نشانہ بنایا اور مشرقی اقوام کے اندرونی تضادات اور خرابیوں کو نظر انداز کیا۔

تاہم اس کے باوجود، سعید کی اس کتاب نے Postcolonial Studies کے میدان کی بنیاد رکھی۔ Gayatri Spivak, Homi Bhabha، اور Hamid Dabashi جیسے مفکرین نے اس سوچ کو مزید آگے بڑھایا اور نوآبادیاتی نظام کی فکری باقیات کا تنقیدی مطالعہ کیا۔ آج کی دنیا میں جب کہ عالمی طاقتیں نئی شکلوں میں غلبہ قائم کر رہی ہیں، سعید کا نظریہ اب بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

## عصر حاضر میں Orientalism کی معنویت

آج کے دور میں بھی مشرقی اقوام کو اکثر مغربی بیانیے کے تحت دیکھا جاتا ہے۔ اسلاموفوبیا، مشرقی ممالک کی سیاسی صورتحال کی یک طرفہ رپورٹنگ، اور ثقافتی تعصب کے مظاہر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ Orientalism صرف ماضی کا نظریہ نہیں، بلکہ حال کا ایک چیلنج بھی ہے۔ ایسے میں ضروری ہے کہ مشرقی اقوام اپنی شناخت، تاریخ اور تہذیب کو خود بیان کریں اور مغربی بیانیے پر انحصار نہ کریں۔

Orientalismنا صرف ایک کتاب ہے بلکہ ایک فکری تحریک کی بنیاد بھی ہے۔ اس نے مغرب کے علمی و ثقافتی غلبے کو چیلنج کیا اور مشرقی اقوام کو اپنی نمائندگی خود کرنے کی دعوت دی۔ Edward Saidنے نہ صرف مغربی دنیا کے رویے کو بے نقاب کیا بلکہ مشرقی دنیا کو فکری آزادی کا پیغام دیا۔ آج کے علمی، سیاسی اور ثقافتی منظرنامے میں سعید کی فکر ایک روشن رہنما ہے جو ہمیں طاقت، علم، اور نمائندگی کے درمیان تعلق کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

## حوالہ جات


Edward Said, Orientalism, 1978

1. Joseph Conrad, Heart of Darkness
2. E.M. Forster, A Passage to India
3. Hamid Dabashi, Post-Orientalism, 2009
4. Aijaz Ahmad, In Theory, 1992
5. Gayatri Spivak, "Can the Subaltern Speak?", 1988
6. Homi K. Bhabha, The Location of Culture, 1994
7. William Jones, The Works of Sir William Jones, 1807
8. Napoleon's Description de l'Égypte, 1809

## تعارف وتبصرہ کتب

### متون حدیث پر جدید ذہن کے اشکالات

ڈاکٹر محمد اکرم درک (مصنف)، الشریعہ اکادی، ہاشمی کالونی، کنگنی والا، گوجرانوالہ بن اشاعت: ۲۰۱۲ صفحات ۵۰۸، قیمت: ۵۰۰ روپے

زمین پر آخری وحی قرآن کے بعد حدیث رسول صلی قیام کا جو مقام ہے وہ وہ کسی ذی شعور سے مخفی نہیں اور اسی مقام کے پیش نظر ہر دور میں محدثین نے اس کی خدمت میں اپنی زندگیاں کھپا دیں، اور فقہا اور اصولین نے احکام اخذ کرنے میں اپنی ساری توانائیاں صرف کیں، اور یہی وجہ ہے کہ بالعموم ہر صدی علم حدیث کے لیے کسی نہ کسی پہلو سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے، اور بالخصوص تیسری صدی کو سنہری دور کہا جاتا ہے کیونکہ اس صدی میں کتب ستہ کے مجموعے وجود میں آئے۔

علم حدیث کے آغاز وارتقاء کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی صدیوں ہی میں حدیث کے انکار اور اعتراضات کی تحریک نے جنم لے لیا تھا، لیکن یہ تحریک بدقسمتی سے جہالت پر مبنی تھی اسی وجہ سے سرکاری سرپرستی کے باوجود زیادہ عرصہ نہ چل سکی اور قبل از بلوغت دم توڑ گئی اور اس تحریک کا تذکرہ کتابوں ہی میں رہ گیا۔ پھر جب یورپ نے علمی وفکری میدان میں مسلمانوں کو زچ کرنے کے لیے تحریک کا آغاز کیا تو انہوں نے قرآن، حدیث، تاریخ اسلام اور پیغمبر کریم ﷺ کی ذات کا تنقیدی مطالعہ شروع کیا اور اپنے مطالعے کے حاصلات دنیا کے سامنے پیش کیے تو مسلمان علماء نے ہر دور میں اس کا جواب دیا لیکن مستشرقین نے ہر دور میں اپنے نہج و اسلوب میں تو تبدیلی کی میں لیکن اسلام پر تنقید پر روش برقرار رکھی، عہد حاضر میں انہوں نے متون حدیث پر تنقیدی کام شروع کیا تاکہ اس ذخیرہ کو مشکوک قرار دیا جاسکے۔ اور علمائے کرام نے ہر دور میں مستشرقین اور منکرین حدیث کے اٹھائے گئے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے ہر ممکن کوشش کی اور اس کے نتیجے میں بہترین تجزیاتی لٹریچر منظر عام پر آیا، زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، بنیادی طور پر یہ کتاب معروف دینی اسکالر ڈاکٹر محمد اکرم ورک کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جو ۲۰۰۷ میں انہوں نے جامعہ پنجاب لاہور سے صحاح ستہ کی احادیث پر منکرین حدیث اور مستشرقین کا علمی جائزہ کے نام سے مکمل کیا۔ پھر ۲۰۱۲ میں بعض اضافات اور مقالہ کے نام کی تبدیلی کے ساتھ کتاب ہذا کی شکل میں پیش کیا ہے۔

مصنف کتاب کے مقدمے میں زیر نظر کتاب کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں مستشرقین اور منکرین حدیث کے رد میں لکھے گئے تحریری ادب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث وسنن کی ضرورت واہمیت اور حجیت پر تو بلاشبہ بہت لکھا گیا ہے اور خوب لکھا گیا ہے لیکن جہاں تک متون حدیث پر اعتراضات کا تعلق ہے تو اس موضوع پر مربوط اور خالص علمی اور تحقیقی انداز میں کافی کام کی گنجائش ہے، زیر نظر کتاب میں اس ضرورت کو پورا کرنے کی ایک طالب علمانہ کوشش کی گئی ہے (ص ٦٤)

کتاب پر تقریظ پیر محمد امین الحسنات شاہ نے لکھی ہے، پیش لفظ مولانا ابو عمار زاہد الراشدی نے رقم فرمایا ہے۔ کتاب ایک مقدمہ اور کچھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اور کتاب کے ابواب مختلف فصول پر مشتمل ہیں۔

کتاب کا مقدمہ فہرست عنوانات کے مطابق تین حصوں میں منقسم کیا گیا ہے، ہر عنوان کے تحت موضوع سے متعلق مربوط اور محققانہ انداز میں بحث کی گئی ہے۔ پہلا عنوان دین اسلام میں رسول خدا کا مقام اور منصب دوسرا عنوان فتنہ انکار سنت کا آغاز و ارتقاء، تیسرا عنوان: فتنہ انکار سنت کا نیا ظہور۔

باب اول:

ذخیرہ حدیث کی حفاظت واستناد سے متعلق روایات کے نام سے ہے اور یہ دو فصول پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل ذخیرہ حدیث کی کتابت و تدوین سے متعلق روایات پر مشتمل ہے، فصل دوم ذخیرہ حدیث کے استناد سے متعلق روایات کے نام سے لکھا گیا ہے۔

باب دوم:

باب سوم:

حفاظت قرآن سے متعلق روایات پر مشتمل ہے

ظاہری تعارض پر مبنی روایات پر مبنی ہے، اور دو فصول پر مشتمل ہے، پہلی فصل میں باہم متعارض روایات پر بحث کی گئی ہے، دوسری فصل میں قرآن مجید کے ساتھ متعارض روایات زیر بحث لائی گئی ہیں

باب چھارم :

میں سیاست وقضا سے متعلق روایات پر اٹھائے گئے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے، اور یہ باب بھی دو فصول فصل اول منکرین و معاندین کے خلاف اقدامات کی روایات، اور فصل دوم سزائے رجم کی روایات پر مشتمل ہے باب پنجم:

انبیائے علیہم السلام کی سیرت سے متعلق روایات پر بحث کی گئی ہے، یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے، فصل اول: انبیائے سابقین کی سیرت سے متعلق روایات، فصل دوم: رسول اکرم کی قیام کی سیرت سے متعلق روایات، فصل سوم: رسول اللہ کی قیام کی بھی زندگی سے متعلق روایات پر بحث کی گئی ہے۔

باب ششم:

عقل عام اور مشاہدہ سے ظاہری تعارض پر مبنی روایات

علامہ زاہد الراشدی نے گیارہ صفحات پر مشتمل کتاب کا پیش لفظ لکھا ہے جس میں انہوں نے قرآن و سنت کے باہمی تعلق کو مدلل انداز سے واضح کیا اور سنت کی اہمیت اور استشراقی طاقتوں کی اسلام کے بارے میں ریشہ دوانیوں کے بارے میں مختصر تحریر کیا ہے، آپ سنت کی اہمیت واضح کرتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطی کے حوالے سے لکھتے ہیں: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب حضرت عبد اللہ بن عباس کو خوارج کے ساتھ گفتگو کے لیے بھیجا تو اسی خدشے کے پیش نظر ان سے فرمایا تھا کہ ان کے پاس جاؤ اور ان سے بحث کرد، لیکن ان کے سامنے قرآن سے استدلال نہ کرنا، اس لیے کہ قرآن کریم کے الفاظ میں مختلف معانی کا احتمال ہوتا ہے، بلکہ ان کے ساتھ سنت کے حوالے سے گفتگو کرنا، حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ میں قرآن کریم کو ان سے زیادہ جاننے والا ہوں یہ ہمارے گھروں یعنی قرآن کر حضرت علی نے فرمایا کہ تم ٹھیک دوسرا مطلب نکال لیں گے تم ان و میں بھی وہ مجھ پر غالب نہیں آسکتے)۔حالات کا حامل ہے تم ایک مطلب بیان کروگے تو وہ پر بحث کرنا، کیونکہ ان سے بھاگنے کی راہ نہیں مل سکے گی (ص:۲۱) آپ تحقیق اور تحقیقی رویے کے بارے میں لکھتے ہیں: ہر مؤرخ اور محقق کا حق ہے کہ روایات کی بنیاد پر اپنی تحقیق کے مطابق کوئی رائے قائم کرے اور اس کا اظہار بھی کرے اس نوعیت کے سینکڑوں مسائل امت کے اہل علم میں مختلف فیہ چلے آرہے ہیں اور ان پر اسلسلہ بھی جاری ہے جبکہ آئندہ بھی قیامت تک ان مباحث کا دروازہ کھلا ہے، البتہ بحث کا یہ پہلو کہ جناب نبی اکرم میﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں مغرب کے اعتراضات اور طعن و تشنیع کا جواب دینے کے لیے ہم اپنی ہی روایات اور علمی اثاثے کی اکھاڑ پچھاڑ میں لگ جائیں، بہر حال قابل توجہ ہے اور ہمارے خیال میں ایسے مسائل میں اپنے علمی ذخیرے کے درپے ہونے سے پہلے ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ مغرب کے اعتراضات کی فکری اساس کیا ہے اور اس طعن و تشنیع کی اپنی علمی حیثیت کیا ہے جس

کی بنیاد پر اسلام کی تعلیمات یا جناب نبی اکرم ال السلام کی ذات گرامی کو مورد طعن قرار دیا جارہا ہے۔ اصل ضرورت اس کی بات ہے کہ مغرب کے اٹھائے ہوئے مطاعن واعتراضات کی علمی حیثیت کا تجزیہ کیا جائے اور ہر مغربی اعتراض کو درست تسلیم کرنے کی بجائے اس کی خامی کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے، مگر ہمارا المیہ یہ ہے کہ علامہ محمد اقبال کے بعد مغربی فلسفہ وثقافت کا اس سطح پر ناقدانہ جائزہ لینے اور کوئی مفکر سامنے نہیں آیا اور اس سے بڑا المیہ یہ ہے کہ خود اقبال کا نام لینے والے اس معاملے میں اقبال کی راہ پر چلنے کی بجائے مغربی فلسفہ وثقافت کی نام نہاد علمی برتری کے سامنے سربسجود دکھائے دے رہے ہیں (ص (۲٦) بہر حال یہ نکتہ کہ ہم اپنی ہی روایات اور علمی اثاثے کی اکھاڑ پچھاڑ میں لگ جائیں، غور طلب ہے کیوں کہ اس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہماری روایات اور علمی اثاثے کمزور بنیادوں پر کھڑے ہیں؟ خدانخواستہ ایسی بات ہے تو واقعی تحقیق و شخص کا امر خطرناک نتائج پیش کرنے پر مجبور ہو گا اور اگر بنیاد مضبوط ہے تو یہ اثاثے مزید نکھر کر دنیا کے سامنے آئیں گے اور دین پر مستشرقین کے حملوں کا مؤثر جواب بھی ہو گا۔

کتاب کا مقدمہ فہرست عنوانات کے مطابق تین حصوں میں منقسم ہے ہر عنوان کے تحت موضوع سے متعلق مربوط اور محققانہ انداز میں بحث کی گئی ہے اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ روایتی الزام تراشی یا جذباتی انداز سے بات کرنے کی بجائے کہ مخالف کے بارے میں بھی اعتدال بر بنی رویہ اختیار کیا گیا ہے جو کہ مصنف کی وسعت علمی اور وسعت قلبی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

پہلا عنوان دین اسلام میں رسول خدا کا مقام اور منصب ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی وضاحت جامع انداز میں کی گئی ہے، دوسرا عنوان فتنہ انکار سنت کا آغاز وارتقاء ہے اس میں مصنف نے ابتدائی ادوار میں انکار حدیث کے دو اہم ترین گروہوں خوارج اور معتزلہ کے بارے میں ابتدائی نوعیت کی معلومات فراہم کی ہیں، مصنف خوارج کے بارے میں لکھتے ہیں: اگرچہ خوارج نے سب سے پہلے حدیث وسنت سے اعتراف کیا، لیکن چونکہ یہ انحراف محض جہالت کی بناء پر تھا، اس لیے یہ انحراف انکار سنت کی کسی منظم تحریک کی صورت اختیار نہ کر سکا۔ اس لیے یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری تک مسلمانوں کی تقریباً تمام فرقے ہی حدیث وسنت کی حجیت کے قائل تھے، یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں معتزلہ کا ظہور ہوا، جنھوں نے فتنہ انکار سنت کو ایک منظم تحریک کی شکل دی (ص ۴۳) موضوع سے متعلق کتابوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے کہ کسی طرح محدثین نے ملت اسلامیہ کو معتزلہ کے گمراہ کن عقائد سے محفوظ رکھا اور متقدمین کی دو کتابیں ابن قتیبہ کی تاویل مختلف الحدیث اور طحاوی کی شرح مشکل الآثار،

بقول مصنف ہمارے موضوع کے قریب تر ہیں، ان دو کتابوں میں معتزلہ اور دیگر متکلمین کی طرف سے احادیث نبویہ پر وارد ہونے والے اعتراضات کا نہایت عمدگی سے رد کیا ہے۔

تیسرا عنوان فتنہ انکار سنت کا نیا ظہور ہے، یہ عنوان پہلے دو عناوین سے زیادہ وسعت کا حامل ہے اور مصنف نے اس کو چار حصوں میں تقسیم کر کے بحث کی ہے۔ پہلے حصے میں مستشرقین کے حدیث و سیرت پر مختصر کام اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے ہاں وجود میں آنے والے گروہوں کا تذکرہ اور پھر مسلمان اسکالرز کا اس تصور کے رد میں لکھے گئے لٹریچر کی تفصیل دی گئی ہے۔ مصنف لکھتا ہے۔ مغرب نے سیاسی میدان میں مسلمانوں کو ہزیمت سے دوچار کرنے کے بعد عربی زبان وادب اور اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کو خاص اہمیت دی تاہم اسلامی سوسائٹی میں ان کے فکر و فلسفہ کے نفوذ کی رفتار قدرے سست رہی۔ ایک ڈیڑھ صدی کے تجربات کے بعد مستشرقین نے یہ محسوس کیا کہ ان کے طریقہ کار میں بنیادی غلطی تھی جس کی وجہ سے ماضی میں وہ اپنی محنت کے ثمرات سے محروم رہے ہیں ماضی کے نتائج اور تجربات کی روشنی میں مستشرقین نے اپنے طریق کار میں نمایاں تبدیلی کی اور اب ان کا مقصد یہ ٹھہرا کہ مسلمانوں کو بدلنے کی بجائے اصلا (Roto اور اسلام کی جدید تعبیر کی حوصلہ افزائی کی جائے (ص ۴۷)۔ مصنف مستشرقین کے بارے میں لکھتے ہیں مستشرقین نے دینی علوم کی جانچ پرکھ کے لیے آزادی فکر اور عقل کو ایک اہم ذریعہ قرار دیا۔ ان کے ہاں تحقیق کا منطقی (Logical) سائنسٹیفک (Scientific) اسلوب اسے قرار دیا جاسکتا۔ منطقی اور معروضیت کے تقاضوں پر پورا اترتا ہو۔ اس کے برعکس اسلامی علمی روایت میں تواتر اور تعامل امت کے علاوہ علوم کی جانچ پرکھ میں استناد کو مرکزی اہمیت حاصل ہے، جبکہ عقل کی حیثیت معاون اور مددگار کی ہے اس لیے مغرب کے اصول تحقیق اسلام کے علمی ورثہ کی معرفت اور جانچ پرکھ کے لیے نا قابل قبول ہیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ مستشرقین کے اسلوب تحقیق اور ان کے مکر و فلسفہ کا تجزیاتی مطالعہ کر کے اس کی کمزوریوں کو عیاں کیا جاتا لیکن بدقسمتی سے اس دور میں عالم اسلام کسی ایسی ہستی کے وجود سے خالی رہا۔ اس کے برعکس اس دور میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے مغربی فکر وفلسفہ کا تنقیدی جائزہ لینے کی بجائے مغرب کی طرف سے آنے والی ہر چیز کو سراسر منقل کا تقاضا سمجھا اور یہ چاہا کہ اسلام کے عقائد اور اصول وضوابط کی ایسی تشریح اور تعبیر کی جائے جو نام نہاد علمی تقاضوں کے مطابق ہو چونکہ اسلام کی من مانی تشریح اور تعبیر کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سنت رسول ﷺ تھی، اس لیے ان لوگوں نے حدیث

وسنت کو اپنی شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ مبالغہ آمیز حد تک عقلی پرستی کے اس دور میں کسی بھی چیز کے ردو قبول کے لیے عقل ہی فیصلہ کن کسوٹی اور معیار ٹھہری (ص ۴۷-۴۸)

دوسرے حصے میں ان تین گروہوں، جن کا حدیث کے ضمن میں متوقف باہم متصادم ہے، کا باہم تذکرہ کیا گیا ہے، پہلے گروہ میں مولوی عبد اللہ چکڑالوی اور ان کے متبعین جن پر منکرین حدیث کی اصطلاح صادق آتی ہے۔ اور دوسرے گروہ میں نظری طور پر حدیث کی حجیت کے کسی حد تک قائل ہیں لیکن عملی طور پر انکار کرنے والے غلام احمد پرویز شامل ہیں، تیسرے گروہ میں فراہی مکتبہ فکر شامل ہے جو حدیث وسنت کی حجیت کے قائل ہیں تاہم اخبار احاد کو صرف اسی صورت میں قبول کرتے ہیں جب ان کی کوئی اصل قرآن یا سنت متواترہ میں موجود ہو اور عقلی اصولوں سے نہ ٹکراتی ہو۔ مصنف نے ان تین گروہوں کے علاوہ امت کے بعض اہل علم مثلاً سید ابو الاعلی مودودی، علامہ تمنا عمادی، مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق وغیرہ کے بعض اشکالات کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے اور مصنف نے حدیث پر تنقیدی روایت کا تذکرہ بھی کیا کہ مسلمان اہل علم (فقہاو محدثین و متکلمین) نے بہت سی ایسی روایات پر تنقیدی سوالات اٹھائے ہیں جو سند کے لحاظ سے بظاہر صحیح ہیں اور امام طحاوی (م:۳۲۱ھ) سے لے کر علامہ انور شاہ کشمیری (م: ۱۳۵۲ھ) تک کے اہل علم کی فہرست دی ہے (ص ۵۸) اور حدیث کو کسی صورت میں رد کیا جائے گا اس بارے میں خطیب بغدادی کی کتاب الفقیہ والمتفقہ کا اقتباس دیا ہے

تیسرے حصے میں مستشرقین اور منکرین کے اعتراضات کی اقسام اور مطالعہ حدیث کے دوران پیش نظر رکھے جانے والے اصولوں کا تذکرہ کیا ہے، حدیث وسنت پر اعتراضات کی دو اقسام ہیں: پہلی قسم کے اعتراضات وہ ہیں جن میں حدیث کی حجیت، اس کی قانونی اور تشریعی حیثیت پر تنقید کی گئی ہے، دوسری قسم کے اعتراضات کا تعلق حدیث کے متون کے ساتھ ہے اور مطالعہ حدیث کے دوران چھ قسم کے اصول پیش نظر رکھنا ضروری ہیں تمثیل کے انداز میں کی گئی بات بعض کم فہم لوگ لفظی طور پر لیتے ہیں۔ موضوع کی تمام روایات کو یکجا کر کے حدیث کے بارے میں رائے قائم کی جائے، روایت کے کسی خاص سبب اور حکمت کو معلوم کیا جائے، جن روایات میں تناقض موجود ہے ان اختلافات کو تنوع اور توسع پر محمول کیا جائے، روایت میں موجود محکم کا تعلق کسی خاص طبقے سے ہوتا ہے اس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، بعض اوقات کسی راوی کے تسامح کی وجہ سے الفاظ میں کمی بیشی ہو جاتی ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ روایت کے جامع متن کو پیش نظر رکھا جائے۔

چوتھے حصے میں زیر بحث موضوع کے بارے میں علمی کاوشوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور بقول مصنف مذکورہ تمام کتب کسی مخصوص صاحب قلم یا اس کی کسی کتاب کے جواب میں لکھی گئی ہے (ص ۴۸) مصنف لکھتے ہیں۔ منکرین حدیث اور اہل تجدد نے صحاح ستہ کی جن روایات پر تنقید کی ہے، ان میں سے بعض روایات کمزور ہیں اور محدثین پہلے سے ان کے ضعف کو واضح کر چکے ہیں۔ ایسی روایات چونکہ ناقابل استدلال ہیں، اس لیے ہم نے بھی ان سے کوئی تعرض نہیں کیا، تاہم زیر نظر کتاب میں منکرین حدیث اور اہل تجدد نے جن صحیح روایات پر تنقید کی ہے، صرف انہی روایات پر اعتراضات واشکالات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

پہلا باب ذخیرہ حدیث کی حفاظت و استناد سے متعلق روایات کے نام سے ہے اور یہ دو فصول پر مشتمل ہے، پہلی فصل میں ذخیرہ حدیث کی کتابت و تدوین سے متعلق روایات کا جائزہ لیا گیا ہے، اور یہ تین مباحث پر مشتمل ہے۔ فصل کے آغاز میں موضوع سے متعلق دو اعتراضات لکھ دیے گئے ہیں ایک یہ کہ اگر حدیث بھی وحی ہے تو پھر ان احادیث میں اس نوعیت کا تضاد کیوں ہے کہ کہیں تو حدیث لکھنے کی سخت ممانعت آئی ہے اور کہیں لکھنے کا حکم ہے ؟ دوسرا یہ کہ روایات میں اس تعارض کی وجہ سے صحابہ کرام کا رجحان چونکہ حدیث کی عدم کتابت کی طرف تھا، اس لیے قرن اول میں احادیث کو تحریری صورت میں محفوظ نہ کیا جاسکا جس کے نتیجے میں اکثر احادیث ضائع ہو گئیں (ص ۴۷)۔ پہلی فصل کتابت حدیث کے موضوع پر مشتمل ہے پہلا مباحث کتابت حدیث کی ممانعت کی روایات پر مشتمل ہے اس سے متعلق مشہور روایات چار صحابہ کرام یعنی حضرت ابو سعید خدری (۵۷۴)، حضرت ابو ہریرہ (۵۸) حضرت زید بن ثابت (۵۴۴) اور حضرت عبد اللہ بن عمر (م:۷۳ھ) سے مروی ہیں، مصنف نے ان چاروں روایات پر علماء و محدثین کے کلام کی روشنی میں جائزہ لیا ہے کہ ان روایات میں بنیادی نوعیت کی کمزوری کیا ہے اور اس موضوع پر ان روایات کو اصل کی حیثیت اصل ہے۔ دوسرا مباحث کتابت حدیث کی اجازت کی روایات سے متعلق ہے۔ اس موضوع پر معروف روایات درج کی گئی ہیں۔ تیسرے مباحث میں محدثین کے موقف کو واضح کیا گیا ہے، روایات کے ظاہری تعارض کو لیے مصنف محدثین کے مؤقف کے بارے میں لکھتا ہے: محدثین کے ہاں معروف اصول یہ ہے کہ ظاہری تعارض کو دور کرنے کی صورت میں جمع و تطبیق، ایسا ممکن نہ ہو تو ناسخ و منسوخ، ایسا ممکن نہ ہو تو راجح و مرجوح کا اعتبار کرتے ہیں، ورنہ پھر توقف کرتے ہیں۔ مصنف نے بحث کو ان الفاظ میں سمیٹا ہے، مذکورہ پوری بحث اور دلائل کا حاصل یہ ہے کہ وہ روایات جن میں کتابت سے منع کیا گیا ہے اگرچہ اصول روایت اور سند کے لحاظ سے ان میں سے بعض صحیح ہیں، تاہم موضوع کے تفصیلی مطالعہ سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ کہ یہ احادیث ایک

خاص عبوری دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان احادیث کا سیاق وسباق، تاریخی پس منظر اور دیگر داخلی شواہد ہمارے اس موقف کی تائید کرتے ہیں، جبکہ صحابہ کرام کی کثیر تعداد کا کتابت حدیث کی طرف عملی رجحان بھی ان احادیث کے درست محل کو متعین کرنے میں بہت مدد گار ہے (ص۸۸)

فصل کے آغاز میں مذکور دو اعتراضات کا جواب اس فصل کے آخر میں درج کیا گیا ہے عہد رسالت مآب ﷺ کے دور میں یعنی قرن اول میں کتابت حدیث کی کیا نوعیت ہوا کرتی تھی، اس ضمن میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ (م:۲۰۰۱ء) کی تحقیقات اور ڈاکٹر محمد مصطفی الاعظمی کی پی ایچ ڈی کے مقالے (Studies in Early Hadith Literature) کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔

فصل دوم ذخیرہ حدیث کے استناد سے متعلق روایات کے نام سے لکھا گیا ہے۔ حدیث کی استنادی حیثیت کسی بھی حدیث کے طالب علم سے ڈھکی چھپی نہیں، یہی وجہ ہے کہ مستشرقین اور منکرین حدیث نے اس کی استنادی حیثیت کو چیلنج کرنے کے مختلف حربے اختیار کیے، اس فصل میں مصنف نے مسکت جواب دینے کی کوشش کی۔ انکار حدیث کی ایک صورت یہ بھی ہے براہ راست انکار کرنے کی بجائے ان شخصیات کو مطعون کیا جائے جن پر ذخیرہ حدیث کا انحصار ہے، جیسا کہ حدیث کے ضمن میں حضرت ابو ھریرہ اور ابن شہاب زہری کا انتخاب کیا گیا ہے، اس فصل میں مصنف نے پانچ عنوانات کا انتخاب کیا ہے اور ہر عنوان سوائے دو کے ذیل میں توضیحات کے عنوان سے بحث کی گئی ہے۔ پہلا عنوان میں حضرت ابو ھریرہ سے مروی حدیث پر مستشرقین اور منکرین کے الزام کا جائزہ لیا گیا ہے اور تخریج کے ذریعے یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ روایت پر الزام ہی سرے سے غلط ہے۔ دوسرے عنوان کے تحت ابن شہاب زہری پر یہ الزام کہ وہ بنو امیہ کے لیے دینی و سیاسی مقاصد کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے، شد رحال والی حدیث اور قبۃ الصخرہ کی تعمیر کے موضوع میں واضح کر دیا کہ گولڈ زیہر کے اعتراض کی بنیاد مؤرخ یعقوبی کی بیان کردہ روایت ہے اور یہ پوری تاریخ میں واحد مورخ ہے جس نے یہ روایت گھڑی ہے۔ تیسرے عنوان کو ذخیرہ حدیث میں اہل کتاب کی روایت؟ کے نام سے معنون کیا گیا ہے۔ اس میں مستشرقین نے یہ الزام عائد کرنے کی کوشش کی کہ ذخیرہ حدیث میں اہل کتاب کی روایات راہ پا گئی ہیں، مصنف نے اہل کتاب کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی نوعیت اور ان کی بیان کردہ روایات کی وضاحت توضیحات کے نام سے کی ہے اور اس بحث کی بنیاد اس اصول کے بیان پر رکھی کہ تمام الہامی ادیان کی بنیادی تعلیمات ایک ہی ہیں (ص۱۰۸) چوتھا عنوان بنو عباس گئی کے استحقاق خلافت کے لیے وضع حدیث کا الزام کے نام سے ہے اس میں بخاری و مسلم کی ایک روایت پر بحث کی ہے کہ

کس طرح منکرین حدیث الفاظ پر غور و تدبر کی نعمت سے محروم ہیں، پانچویں عنوان کے تحت صحابہ کی تنقیص کے لیے وضع روایت کے الزام کا جائزہ لیا گیا ہے اور دلائل و قرائن سے واضح کیا ہے کہ اس روایت میں لفظ اصحابی سے مراد تمام صحابہ کرام ہیں یا چند لوگ۔

باب دوم حفاظت قرآن سے متعلق روایات کے نام سے ہے۔ باب دوم کے موضوعات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، پہلے حصے میں قرآن مجید میں آیت رجم، آیت رضاعت، لوکان لابن آدم وادیان، سورۃ اللیل میں تحریف کے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ یہ وہ آیات ہیں جو منسوخ ہو چکی ہیں لیکن مستشرقین اور منکرین نے قرآن میں تحریف کا الزام روایات کے سر تھوپنے کے لیے استعمال کیا ہے، مصنف لکھتا ہے نسخ فی القرآن کا قانون مسلمانوں کے ہاں مسلم ہے، نسخ قرآنیات اور اسلامیات کی ایک مستقل اصطلاح اور معرکۃ الاراء موضوع ہے جس پر علماء نے بڑی طویل بحثیں کی ہیں۔ مستشرقین نے نسخ فی القرآن کو قرآن میں ترمیم واضافہ اور ارتقاء کے ثبوت میں پیش کیا ہے جبکہ منکرین حدیث نے نسخ کو روایت پرست محدثین کی اختراع قرار دیا ہے (ص ۱۵۶ ۱۵۷)

دوسرا حصہ سبعہ احرف اور متن قرآن کی محفوظیت کے مبحث پر مبنی ہے مصنف اس کا خلاصہ ان الفاظ میں کرتا ہے: سبعہ احرف کی پوری بحث پر غور و فکر کے بعد یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ سارا اختلاف محض نظری ہے اور عملی اعتبار سے قرآن کریم کی حقانیت و صداقت اور اس کے محفوظ رہنے پر اس اختلاف کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوا۔ اختلاف قرات کی روایات کے تنقیدی مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآنی قرات کا مدار سینہ بہ سینہ منتقلی پر ہے نہ کہ کتابت پر۔ ابتدائی دور میں قرآن مجید پر اعراب اور نقطوں کے نہ ہونے سے اس اختلاف کا کوئی تعلق نہیں ہے، جیسا کہ مستشرقین اپنے قارئین کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ مختلف قراتوں کے وجود کے باوجود عملی طور پر ساری امت کا ہمیشہ ایک ہی قرات پر اتفاق رہا ہے۔ دوسری قراتیں تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں نقل ہوتی چلی آرہی ہیں جن سے آیات کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور ان سے علمائے کرام مسائل کا استنباط کرتے ہیں (ص ۱۷۵-۱۷۴)

تیسرے حصے میں عہد صدیقی میں جمع و تدوین قرآن کی روایت پر بحث کی گئی ہے، روایات کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کی بڑی تعداد شہید ہو گئی تھی لیکن مستشرقین نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ صرف دو قرا شہید ہوئے تا کہ عہد صدیقی میں

جمع قرآن کو افسانہ قرار دیا جاسکے۔ مصنف نے ابن کثیر کے حوالے سے شہداء جنگ یمامہ کی فہرست پیش کر کے اصل حقیقت کو واضح کر دیا(ص:۱۷۹-۱۷۸)

باب سوم ظاہری تعارض پر مبنی روایات کے جائزے پر مشتمل ہے۔ اس باب کو مصنف نے دو فصول میں تقسیم کیا ہے۔ فصل اول باہم متعارض روایات پر مبنی ہے، اس فصل میں مصنف نے زیادہ تر ان روایات کا تذکرہ کیا ہے جن پر مشہور مستشرق الفریڈ گیوم نکلسن اور منکرین حدیث نے اعتراضات کیے ہیں اور اعتراضات کی نوعیت کچھ یوں بنتی ہے کہ ذخیرہ احادیث میں باہم متعارض روایات بھی موجود ہیں مثلاً زانی کے جنت میں داخل ہونے کی روایت، ختم نبوت اور مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی روایات، کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی اجازت اور ممانعت کی روایات، کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز اور ممانعت کی روایات، کتا رکھنے کے جواز اور عدم جواز کی روایات، واقعہ معراج سے متعلق متعارض روایات، مصنف نے یہاں بھی جمع و تطبیق اور اسلامی شریعت کے اصولوں کی روشنی میں جواب دیا ہے اور ان اعتراضات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے، مثال کے طور پر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی اجازت اور ممانعت کی روایات کے ذیل میں لکھتے ہیں: اسلامی شریعت کا اصول یہ ہے کہ ضرورت اور مجبوری کی صورت میں اصل حکم کو ترک کیا جاسکتا ہے، لیکن جیسے ہی وہ عذر اور مجبوری ختم ہو گی اصل حکم پر ہی عمل کیا جائے گا(ص۱۹۶)

فصل دوم قرآن مجید کے ساتھ متعارض روایات پر اعتراضات واشکالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مصنف عورتوں سے جماع فی اللہ بہ کی روایت پر بحث کے خاتمے پر لکھتے ہیں: المختصر ابن عمر کے ایک شاذ قول اور مرجوح قول کے مقابلے میں جمہور مسلمانوں کے طرز عمل اور رسول اللہ ﷺ کی متعدد احادیث کو، جن میں جماع فی الدبر پر سخت دعید میں سنائی گئیں ہیں، نظر انداز کرنا افسوسناک ہے (ص ۲۱۴) حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کی روایات کے موضوع پر جاوید احمد غامدی کے تین دلائل پیش کیے گئے ہیں اور مصنف توضیحات میں لکھتے ہیں: غور کیا جائے تو مذکورہ تینوں دلائل کی بنیادی نوعیت ایک ہی ہے، یعنی قرآن مجید کے سیدنا مسیح علیہ السلام کے نزول ثانی کا ذکر نہ کرنے سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ ان کے دوبارہ نزول کی روایات مستند نہیں (ص ۲۱۸) مصنف بحث کا اختتام ان الفاظ میں کرتے ہیں: پھر مذکورہ اشکالات میں اگر علمی طور پر کچھ وزن ہو تو بھی زیادہ سے زیادہ اشکال درجہ رکھتے ہیں۔ ایسی صورت میں آدمی یہ تو کہہ سکتا ہے کہ ان مقامات پر حضرت مسیح علیہ السلام کی دوبارہ آمد کا ذکر نہ ہونا ذہن کو کھٹکتا ہے لیکن اس بنیاد پر ان روایات کو ہی سرے سے رد کر دینے کا کوئی جواز نہیں جو متعدد سندوں سے نبی سے ثابت ہیں) ص(۲۲۱)

باب چہارم کا عنوان سیاست و قضا سے متعلق روایات ہے، یہ باب دو فصول پر مشتمل ہے۔ فصل اول میں منکرین و معاندین کے خلاف اقدامات کی روایات پر بھی۔ اس فصل میں بنیادی طور پر دو موضوعات پر بحث کی گئی ہے ہر حال میں لوگوں سے جنگ کرنے کی روایت اور سرداروں کے قتل کی بابت میں مستشرقین نے بعض روایات کی روشنی میں اسلام کے تصویر جہاد کو دہشت گردی۔ ہے حالانکہ جہاد دو صورتوں سے مشروع ہے ایک یہ کہ جہاد صرف دفاع اور دشمنان اسلام کے ظلم وجور کے خاتمہ کے لیے اور دوسرا یہ کہ قانون اتمام حجت جو کہ عہد رسالت ہی سے متعلق ہے۔ نصوص میں دو ستم کی آیات آئی ہیں، مصنف لکھتا ہے: جہاد صرف دفاع اور دشمنان اسلام کے ظلم وجبر کے خاتمہ کے لیے مشروع ہے (ص ۲۳۰) جہاں تک دوسرے نصوص کا تعلق ہے جن میں اسلام قبول نہ کرنے والے کفار کے ساتھ قتال کرنے اور انہیں مغلوب کرنے کا حکم ہے تو ان کا تعلق اللہ تعالی کے قانون اتمام تحت سے ہے (ص ۲۳۲) مصنف لکھتا ہے فقہاء نے احناف اس بات کی تصریح کرتے ہیں کہ مشرکین کے ساتھ کیے جانے والے قتال کی نوعیت، قتال کے عمومی احکام سے مختلف ہے، چنانچہ وہ اس کی فتنہ وفساد یا شرک کو نہیں بلکہ اس بات کو قرار دیتے ہیں کہ انہوں نے اتمام حجت کے باوجود پیغمبر کی تکذیب کی تھی (ص ۲۳۴)، یہودی سرداروں کے قتل (کعب بن الاشرف کے خلاف گوریلا کاروائی، ابو رافع کے خلاف گوریلا کاروائی، قبیلہ مشکل و عرینہ کے باغیوں کے قتل کی روایت) کی بابت جو روایات آئی ہیں، اگر ان کو دیکھا جائے تو ان کے جرائم کے پیش نظر ایک ریاست کو اسی طرح ہی کے فیصلے کرنے چاہئیں اور ان کے خفیہ قتل میں بھی بڑی حکمت پوشیدہ تھی کیونکہ پوری قوم کو جنگ میں شریک کرلینا مناسب معلوم نہیں ہوتا اسی لیے ان کو خفیہ ہی قتل کر دیا گیا۔

فصل دوم سزائے رحم کی روایات پر مشتمل ہے، اس فصل میں مصنف نے رجم کی سزا کے بارے میں مختلف اشکالات کے بارے میں جواب دینے کوشش کی ہے، یہودی جوڑے کے رجم کی روایات، عہد رسالت میں واقعات رجم کی روایات، ماعز اسلمی کے رجم کا واقعہ، غامدیہ کے رجم کا واقعہ، مزدور کے رجم کا واقعہ، ایک گمنام آدمی کے رجم کا واقعہ، ان تمام موضوعات پر بحث کو سمیٹتے ہوئے مصنف لکھتا ہے: واقعات رجم کے اس تاریخی اور تحقیقی جائزہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اس لیے یہ روایات قطعاً منسوخ نہیں ہیں۔ اور ان کو سورۃ نور کے نزول کے پہلے دور سے متعلق قرار دینا تاریخی طور پر غلط ہے۔ پھر عہد رسالت کے بعد خلفائے راشدین کے عمل اور جمہور مسلمانون کے مسلسل تعامل نے رجم کی شرعی حد ہونے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہنے دیا۔

الغرض رجم کے انکار کے لیے جس طرح یہ دعویٰ غلط ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہودی جوڑے کو تورات کے حکم کے مطابق رجم کروایا تھا، اسی طرح یہ کہنا کہ رجم کی روایات سورۃ نور کے احکام سے پہلے کی ہیں، ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہے (ص ۲۹۰) اس فصل میں مصنف نے اس موضوع پر لکھی گئی تمام کتب کا تذکرہ کیا ہے اور روایتی نکتہ نظر کا بھرپور انداز سے دفاع کیا ہے۔

باب پنجم انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے متعلق روایات پر تنقید اور اعتراضات کا جواب پر مبنی ہے۔ یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے۔ فصل اول انبیائے سابقین کی سیرت سے متعلق روایات، اس میں کل نو انبیاء سابقین سے متعلق کل نو روایات کا انتخاب کیا گیا ہے، جن میں تین کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے اور ایک کا تعلق حضرت یوسف علیہ السلام، اور چار روایات کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے اور ایک روایت کا تعلق حضرت سلیمان علیہ السلام سے تعلق رکھتی ہے۔ ان روایات پر اعتراضات اور اشکالات منکرین حدیث یا بعض مسلمان اہل علم نے پیش کیے ہیں، حضرت ابراہیم کے کذبات ثلاثہ کی روایت پر پیش کیے گئے اعتراضات کو کذب اور تعریض پر مفصل بحث کر کے دور کر دیا گیا مصنف لکھتے ہیں: اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ زیر مطالعہ حدیث میں لفظ کذب کو تعریض پر اس طرح محمول کرنا ایک بالکل صحیح اور معقول توجیہ ہے۔ اسی طرح مقیم سے مراد یہاں روحانی مریض ہے، جبکہ اختی کا مطلب دینی بہن ہے، گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعریض اور توریہ کے ذریعہ اپنے مخاطبین کو ظاہری معانی کیطرف متوجہ کر دیا، جبکہ خود اس سے دوسرے معنی مراد لیا (ص ۳۰۹) حضرت ابراہیم کے ختنے والی روایت میں منکرین حدیث کو عریانیت نظر آ رہی ہے، مصنف لکھتا ہے: ختنہ کے وقت حضرت ابراہیم بوڑھے نہیں تھے اور نہ ہی وہ کسی حجام کے پاس ختنہ کروانے کے لیے گئے، بلکہ یہ کام انہوں نے خود کیا تھا (ص ۳۱۰) اس روایت پر بھی بڑا اعتراض کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام لوگوں کے سامنے عریاں ہو گئے، مصنف نے روایت کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ ابن حزم کی اس توجیہ سے بحث کو سمیٹا ہے: حدیث میں یہ نہیں ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی شرم گاہ دیکھ لی تھی جو کہ ستر میں آتی تھی۔ بس ایسی حالت دیکھی جس سے انہیں یقین ہو گیا کہ وہ ان کے متعلق خصیوں کے پھولے ہونے کی جو دیکھنے والے کو کسی شک کے بغیر یوں معلوم ہو سکتی۔ موسیٰ علیہ السلام اس سے بری ہیں اور یہ بات تو ہر دیکھنے والے کو بغیر کسی شخص کے یوں معلوم ہو سکتی ہے کہ وہ شرم گاہ کو نہ دیکھے لیکن (کپڑوں کے اوپر سے) دونوں رانوں کے مابین جگہ کو خالی دیکھ کر سمجھ لے (کہ خصیوں کی بیماری نہیں ہے) (ص-۳۳۲

۳۳۳)حضرت سلیمان علیہ السلام کی سو بیویوں سے مقاربت سے متعلق روایت پر تعین اعتراضات وارد ہوئے ہیں: بیویوں کی تعداد، ایک ہی رات میں مقاربت تلقین کے باوجود ان شاء اللہ نہ کہنا، بیویوں کی تعداد کے بارے میں اعتراض کو بائیل کے حوالے سے واضح کیا گیا، ایک ہی رات میں مقاربت کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں: یہ حدیث بھی ایسے معجزانہ اور خارق عادت واقعات میں سے ہے (ص ۳۴۴)

فصل دوم میں رسول اللہ کی سیرت سے متعلق چار روایات کا انتخاب کیا گیا ہے، رسول اللہ پر جادو کی روایات، عمر عائشہ سے متعلق، ابن الجون سے متعلق روایت، ماریہ مصریہ پر جمعیت زنا کی روایت، پہلے دو موضوعات کے بارے میں ہمارے دینی لٹریچر میں بہت کچھ مواد موجود ہے اور مصنف نے کمال مہارت سے سارے لٹریچر کو کھنکھال کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ جادو کے متعلق مصنف لکھتے ہیں: جب بھول چوک انبیاء اور نبی کریم کے لیے ثابت ہے تو جو اعتراض جادو کے متعلق کیا جاتا ہے وہ بھول کے متعلق بھی کیا جاسکتا ہے، اس لیے درست بات یہی ہے کہ آپ کو بھی عام انسانوں کی طرح زندگی کی مشکلات اور عوارض کا سامنا کرنا پڑا، تاہم وحی اور دین کی دعوت میں آپ مکمل طور پر اللہ کی حفاظت میں تھے، معصوم اور محفوظ عن الخطا تھے (ص ۳۵۸) اور مستشرقین نے پیغمبر کی شخصیت کو داغدار ثابت کرنے کے لیے عمر عائشہ سے متعلق اتنا واویلہ مچایا کہ مسلمان بھی اسی بہکاوے میں آ گئے اور مصنف نے مستشرقین اور مسلمان معترضین کے اعتراض کو سامنے رکھ کر ساری بحث کی۔ اور یہ ثابت کیا کہ رسول اللہ ہی السلام کے نکاحوں کی حکمت کو سامنے رکھے بغیر ان اعتراضات کو صاف نہیں کیا جا سکتا اور بحث کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا: جس طرح حضرت خدیجہ کے بعد رسول اکرم سی ایم کی تمام شادیوں کے اسباب خالصتاً سماجی وسیاسی اور دینی نوعیت کے تھے جس کا اعتراف غیر جانبدار مغربی سیرت نگاروں نے بھی کیا ہے، بالکل اسی طرح حضرت عائشہ سے آپ کے نکاح کی سب سے بڑی حکمت علمی اور دینی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی علمی خدمات اس کی زندہ جاوید شہادت ہیں۔ آپ سے بائیس سو (۲۲۰۰) احادیث مروی ہیں اور آپ نے اپنی خداداد علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ہزاروں مسائل کی گھتیاں سلجھائیں۔ اکابر صحابہ کو مختلف دینی مسائل میں آپ کی طرف بار بار رجوع آپ کی فقہی بصیرت کا واضح اعتراف ہے (ص ۳۷۳)

فصل سوم میں رسول اللہ ﷺ کی نجی تعلیم کی بھی زندگی سے متعلق پانچ روایات کا انتخاب کیا گیا ہے، فصل کے آغاز میں ازواج مطہرات کا مقام و مرتبہ اور دینی ذمہ داریوں کے حوالے سے قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کے مقام و مرتبہ اور دینی ذمہ داریوں

کو متعین کیا گیا ہے تا کہ یہ واضح ہو سکے کہ ازواج مطہرات نے کن دینی ضرورتوں کی بناء پر نجی معاملات بیان کیے۔ نبی ﷺ کی حالت حیض میں ازواج مطہرات سے مباشرت کی روایات پر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے مصنف لکھتا ہے: مباشرت کا اصل مفہوم محض بدن کو چھوٹا ہے جبکہ مجامعت کے لیے یہ لفظ بطور کنایہ استعمال ہوتا ہے (ص ۳۹۶) ازواج مطہرات کی روایت کے بارے میں یہ اعتراض کہ اس نوعیت کا سوال کیوں اٹھایا گیا؟ مصنف لکھتا ہے۔ ان تمام روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وجوب مسائل کا مسئلہ کس قدر الجھ چکا تھا صحابہ کرام کے درمیان پائے جانے والے اس شدید اختلاف کے تناظر میں ہی صحابہ کرام کو امہات المؤمنین کے پوچھنے کی جسارت کرنی پڑی (ص ۴۰۱)۔ حضرت عائشہ کے عملاً غسل کرکے دکھانے کی روایت کے بارے میں مصنف معترضین کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: حدیث کے سیاق وسباق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں اختلاف یہ نہ تھا کہ غسل کا طریقہ کیا ہے بلکہ بحث یہ چھڑ گئی تھی کہ غسل کے لیے کتنا پانی کافی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں کو یہ روایت پہنچی تھی کہ آپ ایک صاع پانی سے غسل کر لیا کرتے تھے۔ اتنے پانی کو غسل کے لیے ناکافی سمجھا گیا تو حضرت عائشہ نے بیچ میں پردہ لٹکا کر ان کو عملاً غسل کرکے دکھایا اور یوں دو باتیں سمجھائیں۔ ایک یہ کہ غسل جنابت کے لیے صرف جسم پر پانی بہانا کافی ہے اور دوسرا یہ کہ اس مقصد کے لیے ایک صاع پانی کفایت کر جاتا ہے (ص ۴۰۳)

باب ششم مقتل عام اور مشاہدہ سے ظاہری تعارض پر مبنی روایات کے نام سے ہے اور یہ تین فصول پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل مشاہدہ تجربہ کے خلاف روایات پر بنی ہے اور اس میں زیادہ تر روایات کا تعلق سائنسی نوعیت کی معلومات یا عام مشاہدہ پر مبنی ہے۔ مثال کے طور پر مصنف گرمی کی شدت کو جہنم کا سانس قرار دینے کی روایت کے بارے میں مولانا عبد الماجد دریا آبادی کے حوالے سے لکھتے ہیں: ہر فن کی خاص اصطلاحیں اور ہر شعبہ علم کی ایک مخصوص بولی اور زبان ہوتی ہے اور ہر علم و فن اپنے سارے مفہوم انہی مخصوص اصطلاحوں اور بولیوں میں ادا کرتا ہے جو دوسروں کو ممکن ہے بالکل اجنبی، نامانوس اور عجیب معلوم ہوں۔ حقیقتوں میں فرق کچھ بھی نہ ہو گا لیکن عبارتیں ہر فن کی دوسرے سے بالکل ہی ریگانہ بلکہ متضاد معلوم ہوں گی (ص ۴۲۱) سورج کے عرش کے نیچے سجدہ کرنے کی روایت ہی کے بارے میں مصنف نے منکرین حدیث کے اعتراض کو ان الفاظ میں رقم کیا ہے: منکرین حدیث نے اس حدیث پر حدیث کا علم الافلاک اور معلومات عامہ جیسے طنزیہ عنوانات چسپاں کرکے اس کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے (ص ۴۲۶) اور اس روایت پر اعتراض کا جواب طے کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے: اس حدیث مبارک میں سورج کے سجدہ کرنے کو نماز میں سجدہ

کرنے کی مثل سمجھ لینا درست نہیں۔ حدیث میں مذہب کی مخصوص اصطلاح میں صرف یہ مفہوم بیان ہوا ہے کہ سورج ہو یا زمین، وہ ہر لمحہ حکم الٰہی کے تابع ہیں اسی طرح سورج کا طلوع و غروب بھی حکم الہی کے تابع ہے (ص ۴۲۷) بندروں کے رجم کی روایت کے ضمن میں لکھا گیا: اس روایت کا انکار دیگر روایات کے مثل نہیں کیونکہ یہ واقعہ رسول اللہ کی طرف منسوب نہیں اس کے راوی حضرت عمرو بن میمون ہیں جو صرف ایک تابعی ہیں صحابی بھی نہیں۔ وہ اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کر رہے ہیں پھر اس واقعے سے کسی عقیدے کا بیان بھی مقصود با نہیں اس لیے نفس واقعہ کے انکار کی بناء پر کسی شخص کو انکار حدیث کا مرتکب قرار نہیں دیا جا سکتا (ص ۴۴۶) آگے لکھتے ہیں: کسی بھی روایت پر محض عقل کی بنیاد پر تنقید کرنا ایک خطرناک رجحان ہے کیونکہ اگر عقل کو ہی حتمی کسوٹی قرار دیا جائے تو پھر اس کی زد قرآن مجید پر بھی پڑتی ہے مثال کے طور پر قرآن میں ایک کوے کا ایک دوسرے کوے کو زمین میں دفن کرنے کا واقعہ موجود ہے (ص ۴۴۷)

فصل دوم عقل و قیاس کے منافی روایات، اس فصل میں تین روایات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ واقعہ معراج میں نماز کی فرضیت کی روایت کے بارے میں منکرین حدیث کے اعتراض کا جواب مصنف دیگر دلائل کے ساتھ اس انداز سے بھی دیتے ہیں: اگر طلب ہدایت کا جذبہ لیے ہوئے اس حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو اس حدیث میں تخفیف کی صورت میں اللہ تعالی کی بے پایاں رحمت کا منظر نظر آتا ہے لیکن اگر حدیث کا انکار اور استہزاء ہی پیش نظر ہو تو پھر وہ سارے اعتراضات اور اشکالات پیدا ہوتے ہیں جن کا سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے۔ اگر ہر جگہ تشکیک کی یہی عینک آنکھوں پر لگی رہی تو پھر اس ایک حدیث پر ہی کیا موقوف ہے اس کے علاوہ بھی بے شمار احادیث بلکہ آیات بھی ملیں گی جہاں اگر اسی انداز میں طبع آزمائی کی جائے تو بیسیوں اعتراضات پیدا کیے جا سکتے ہیں (ص ۴۶۰) اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے پیش نظر عام مسلمان ہے اور نہ مستشرقین یا منکرین کو جواب دینے کے لیے اس قسم کی ایمانی طاقت سے اپیل نہیں کیا جا سکتا۔ گناہ کی حوصلہ افزائی کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: گناہ انسانی فطرت کا لازمی تقاضا ہے اور اللہ کا مطلوب انسان وہی ہے جو اس فطری تقاضے کی بناء پر ہر لمحہ اللہ تعالی سے معافی کا طلب گار ہو کیونکہ توبہ و استغفار اللہ کے ہاں بڑی نیکی ہے (۴۷۰)

فصل سوم ماضی اور مستقبل کی خبروں پر مشتمل روایات، اس فصل میں تین موضوعات زیر بحث لائے گئے ہیں، مسجد حرام اور مسجد اقصی کی تعمیر کی روایت، سو سال کے بعد دنیا کے خاتمے کی پیش گوئی کی روایت، قیصر و کسریٰ کی ہلاکت کی پیش گوئی کی روایت، سو

سال کے بعد دنیا کے خاتمے کی پیش گوئی کی روایت کی توضیح کے کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے: اس حدیث کے مفہوم میں جو اشکال نظر آتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے دیگر شواہد و توابع کو دیکھنے کی زحمت نہیں کی گئی یہ حدیث بعض دیگر اسناد سے بھی مروی ہے ان تمام احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں راوی سے وہی غلطی سرزد ہوئی ہے جو عموماً زبانی روایت میں سرزد ہو جاتی ہے یعنی بعض اوقات راوی پوری بات نہیں سن پاتا یا وہ حدیث کا کوئی حصہ بیان کرنا بھول جاتا ہے جس کی وجہ سے حدیث کا مفہوم بالکل تبدیل ہو کر رہ جاتا ہے۔ نبی ﷺ کے بیان کا مطلب یہ تھا کہ آج جو لوگ کائنات ارضی پر بقید حیات ہیں جب یہ صدی ختم ہو گی تو ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ ہو گا۔ بعض لوگوں نے ان الفاظ کی طرف توجہ نہ دی اور یہ سمجھا کہ دنیا سو سال بعد ختم ہو جائے گی (ص ۴۸۰-۴۸۱)

کتاب کے مطالعہ کے آغاز پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جدید ذہن سے کیا مراد ہے؟ پوری کتاب کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ید ذہن سے مراد مستشرقین اور منکرین کے اٹھائے گئے اعتراضات کے جواب دینے کے لیے یہ کتاب مرتب کی گئی ہے، مصنف نے اشکالات کو سامنے لانے کے لیے مستشرقین اور مسلمان منکرین حدیث اور بعض اہل تجدد اور اہل علم کے کام میں سے انتخاب کیا ہے اور انتخاب کے اس عمل کے بارے میں لکھتے ہیں؛ منکرین حدیث اور اہل تجدد نے صحاح ستہ کی جن روایات پر تنقید کی ہے ان میں سے بعض روایات کمزور ہیں اور محدثین ان کے ضعف کو پہلے واضح کر چکے ہیں ایسی روایات چونکہ نا قابل استدلال ہیں اس لیے ہم نے ان سے تعرض نہیں کیا۔ تاہم منکرین حدیث اور اہمی تجدد نے جن صحیح روایات پر تنقید کی ہے زیر نظر کتاب میں صرف انہی روایات پر اعتراضات و اشکالات کا جائزہ لیا گیا ہے (۲۵-۲۶) مصنف لکھتے ہیں کتاب میں پچاس سے زائد موضوعات پر خالص تحقیقی اسلوب میں مستشرقین، منکرین حدیث اور اہل تجدد کے اعتراضات پر بحث کی گئی ہے وہ روایات جو اس مقالہ میں زیر بحث آئی ہیں ان کی کل تعداد سو کے لگ بھگ ہے، ان میں سے بیشتر روایات متفق علیہ ہیں جبکہ بعض روایات متفق علیہ تو نہیں لیکن صحاح ستہ کی مختلف کتابوں میں منقول ہیں (ص ۲۶) کتاب کے نصف اول میں مستشرقین اور منکرین کے اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں اور نصف آخر میں تقریباً منکرین حدیث کے جوابات وارد کیے گئے ہیں جن احادیث مبارکہ پر اعتراضات یا اشکالات وارد کیے گئے ہیں مصنف ان کو متن اور ترجمہ سمیت نقل کرتے ہیں، پھر بعض اوقات اعتراضات کے مختلف پہلو درج کر دیتے ہیں یا

یہ لکھ دیتے ہیں کہ فلاں فلاں نے اس روایت کو ہدف تنقید بنایا ہے یا سرے سے لکھتے ہی نہیں ہیں کہ ان روایات پر کس نے تنقید کی ہے۔

کسی موضوع پر اعتراض درج کرنے کے بعد مصنف جواب دینے سے پہلے اس موضوع پر کیے گئے کام کا حاشیہ میں تذکرہ کرتے ہیں، صرف مصنف کا نام، کتاب کا نام، ناشر وغیرہ کی تفصیل کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جوابات دینے کے لیے توضیحات کے عنوان کا نام انتخاب کیا گیا ہے، حوالہ دیتے وقت مصنف نے قرآنی آیت کا حوالہ حاشیہ میں لکھنے کی بجائے آیت ساتھ لکھ دی ہے۔

کتاب پر درج مبسوط اور جامع مقدمہ مصنف کی محنت اور عرق ریزی کی غمازی کر رہا ہے، متن حدیث پر اعتراضات پر مبحث ہمارے دینی لٹریچر میں بکھرے پڑے ہیں مثلاً حدیث کی کتابت و ممانعت کا موضوع، سبعہ احرف، مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کی روایت سزائے رجم کی روایات، ابراہیم علیہ السلام کے کذبات ثلاثہ، نبی ﷺ کی نجی زندگی سے متعلق روایات وغیرہ، مگر مصنف نے کمال مہارت سے ان تمام موضوعات کو ایک لڑی میں پرو کر قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

مصنف کی ژرف نگاہی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے ایک روایت پر دو مستشرقین کے مؤقف کو کمال مہارت سے الگ الگ باب میں بھی ذکر کر دیا، وضع حدیث کے ضمن میں حضرت ابو ھریرہ کی روایت کتے کے بارے میں، پھر گولڈ زیہر کے نتائج پر بحث، اور پھر کتا رکھنے کے بارے میں حکم و ممانعت کی بحث نکلسن کی تنقید پر توضیحات بیان کرنا لیکن تخریج کے ضمن میں پہلی بار تذکرہ کرتے ہوئے مصنف نے بخاری کا تذکرہ نہیں کیا لیکن جب وہی روایت دوسری بار لائے تو بخاری کا تذکرہ موجود ہے (ص ۹۳، ۲۰۰)

جدید ذہن کے اشکالات دور کرنے کے لیے لکھی گئی یہ کتاب بیسویں صدی کے اوائل یا وسط تک کے معترضین کے دلائل کو رد کیا گیا ہے، حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ عہد حاضر کے مستشرقین یا ان کے خوشہ چیں حدیث کے جس پہلو پر نقد کر رہے ہیں، اس کا جائزہ شامل کیا جاتا، ڈاکٹر محمد اکرم ورک صاحب نے مقدمہ کے آخر میں اپنے موضوع سے قریب تر ماضی قریب میں ہونے والے کام کی فہرست پیش کی لیکن اس فہرست میں مستشرقین کے کام کا بالکل تذکرہ نہیں کیا، اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں یا تو ان کی نظر میں عہد حاضر کے مستشرقین متن حدیث پر اپنے پیشرو کے کام پر کام چلا رہے ہیں یعنی مکھی پر مکھی مارے جا رہے ہیں یا عہد حاضر کے مستشرقین کے کام پر ان کی نظر ہی نہیں۔ دوسرے پہلو کے بارے میں ان کے متعلق ایسی بات کہنا مناسب معلوم نہیں ہوتی۔

پروف ریڈنگ کا کام انتہائی محنت طلب اور عرق ریزی کا متقاضی ہوتا ہے اور الشریعہ اکادمی نے اس پہلو پر خاص توجہ دی ہے بعض جگہوں پر حوالہ اسی صفحے کے حاشیہ میں لکھنے کی بجائے اگلے صفحے کے حاشیہ میں لکھ دیے گئے۔ مثلاً ص ۲۱۳،۲۲۹،۳۱۸،۳۴۹ وغیرہ، کہیں حوالہ درج نہیں مثلاً ۱۸۰، اورص ۲۱۴ پر اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی، آیت کو لکھنا ضروری ہے کیونکہ اس کے ساتھ روایت موجود ہے جس سے ابہام پیدا ہو رہا ہے اس ۲۱۵ پر خزیمہ بن ثابت الخطمی کی روایت کے متن میں کمپوزر کی غلطی عیاں ہے اور اس روایت کے ترجمہ کو بھی دیکھ لیا جائے ہیں ۳۶۷ پر حوالہ مکمل درج ہے لیکن مصنف کا نام نہیں لکھا گیا، حالانکہ مصادر و مراجع میں درج ہے، اور اس طرح اس کتاب کی عبارت کا بھی پتہ نہیں لگ رہا ہے کہ یہ اقتباس کہاں سے شروع ہوا یا مصنف کا تبصرہ ہے یا اصل کتاب کے مصنف کی عبارت کا ترجمہ ہے۔

اس لحاظ سے کتاب کو کامیاب کہا جا سکتا ہے کہ ایک ہی جگہ پر تقریباً دو صدیوں میں ہونے والی حدیث پر اعتراضات کی بحث یکجا مل جاتی ہے۔ اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو یہ کتاب الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کی خوبصورت پیشکش ہے۔ ایسی کتابوں کی طباعت عہد حاضر کی اشد ضرورت ہے۔ کتاب کے فلیپ پر میاں انعام الرحمن لکھتے ہیں: عصر حاضر میں متون حدیث پر وارد ہونے اشکالات کو دور کرنے کے لیے تحقیقی و تجزیاتی مطالعات پروان چڑھے ہیں۔ اگرچہ یہ مطالعات مسلم تہذیب کے باطن سے نہیں پھوٹے، بلکہ ایک خارجی یورش کی مزاحمت میں سامنے آئے ہیں لیکن یہ ایک واضح پیغام لیے ہوئے ہیں کہ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں جب مسلم تہذیب اپنے باطن میں پوشیدہ امکانات بغیر کسی مزاحمتی رنگ کے جدید ذہن کے سامنے پیش کرے گی۔

## گوشۂ اردو کتب و مقالات بعنوان استشراق

### اردو زبان میں استشراق پر تحریر کردہ کتب

اردو زبان میں استشراق کے موضوع پر سنجیدہ علمی کلام کی ابتدا ہو چکی ہے، تاہم اس میدان میں ابھی تک ایک مربوط، جامع اور منظم علمی روایت مکمل طور پر قائم نہیں ہو سکی۔ اس کی ایک ممکنہ وجہ یہ ہے کہ برصغیر کے مسلمان اس موضوع پر زیادہ تر **دفاعی پوزیشن** اختیار کرتے رہے، جس کے نتیجے میں اس طرف خاطر خواہ توجہ نہ دی جا سکی۔ ذیل میں وہ کتب دی جا رہی ہیں جن تک راقم الحروف کی براہ راست رسائی ممکن ہو سکی ہے۔ جو کتب کسی وجہ سے رہ گئی ہیں یا دستیاب نہ ہو سکیں، ان شاء اللہ انہیں آئندہ ایڈیشن میں شامل کیا جائے گا۔

### موضوعاتی تقسیم

ذیل میں کتب کو موضوعاتی انداز میں تقسیم کیا گیا ہے:

### قرآن

- **مستشرقین اور انگریزی تراجم قرآن**

  مصنف: عبدالرحیم قدوائی

  مرتب: پروفیسر اختر الواسع

- **قرآن مجید اور مستشرقین**

  مصنف: محمد جرجیس کریمی

  ناشر: کتاب محل، لاہور

  سال اشاعت: 2017ء

### حدیث

- **متونِ حدیث پر جدید ذہن کے اشکالات: ایک تحقیقی مطالعہ**

  مصنف: ڈاکٹر محمد اکرم ورک

  ناشر: الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ

  سال اشاعت: 2012ء

- **حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات کا تحقیقی جائزہ Shorter Encyclopedia of Islam کے تناظر میں**

از پروفیسر حافظ حسن عامر

**سیرت**

- **ضیاء النبی ﷺ (جلد ششم)**

مصنف: پیر محمد کرم شاہ الازہری

ناشر: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور

سال اشاعت: 1418ھ

- **اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور مستشرقینِ مغرب کا اندازِ فکر**

مصنف: ڈاکٹر عبد القادر جیلانی

ناشر: کتاب سرائے، لاہور

سال اشاعت: 2010ء

**قانون / اسلامیات**

- **اسلام اور مستشرقین**

مصنف: حافظ ڈاکٹر محمد زبیر

ناشر: مکتبہ رحمۃ للعالمین، لاہور

سال اشاعت: 2014ء

- **استشراق اور مستشرقین**

مصنف: ڈاکٹر مصطفیٰ حسنی سباعی

مترجم: محمد نور الحسن خان نعیمی ازہری

ناشر: کتاب محل، لاہور

سال اشاعت: 2017ء

**عمومی مطالعہ**

- **اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین**

مصنف: مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

مترجم: مولانا سید سلمان حسینی ندوی

ناشر: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی

سال اشاعت: 1992ء

- **فکرِ استشراق اور عالمِ اسلام میں اس کا اثر و نفوذ**

مصنف: ڈاکٹر محمد شہباز منج

ناشر: القمر پبلیکیشنز، لاہور

سال اشاعت: 2016ء

- **علومِ اسلامیہ اور مستشرقین**

مصنف: ڈاکٹر ثناء اللہ ندوی

ناشر: نشریات، لاہور

سال اشاعت: 2009ء

- **مطالعۂ اسلام اور استشراقی تنقیدات**

مصنف: ڈاکٹر فیروز الدین شاہ کھگہ

ناشر: عکس پبلیکیشنز، لاہور

سال اشاعت: 2019ء

- **استشراقی تحریک: ایک مختصر تعارف**

مصنفین: ڈاکٹر سعید احمد، طوبیٰ گل

ناشر: صد قال پبلیکیشنز، لاہور

سال اشاعت: 2022ء

- **تفہیمِ استشراق**

مصنف: سید علیم اشرف جائسی

مذکورہ کتب میں بعض مخصوص موضوعات جیسے قرآنیات، حدیث، سیرت، مستشرقین کی فکری ساخت، استشراقی طرزِ تحقیق وغیرہ کو بھرپور انداز میں زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ نائن الیون کے بعد استشراق کے علمی رویے میں جو تبدیلیاں آئیں، وہ بعض جدید کتب میں واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہیں، بالخصوص تنقیدی اور مکالماتی اسلوب میں۔

## گوشۂ سرگرمیاں

**رپورٹ: ڈاکٹر محمد عرفان نائب مدیر ششماہی "استشراق"**

**(اکتوبر 2024 تا مارچ 2025)**

انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹلزم میانوالی اور دیگر اداروں کی جانب سے مطالعۂ استشراق کے فروغ کے لیے منعقدہ علمی و تحقیقی سرگرمیوں کا خلاصہ

### خصوصی اشاعتیں

❖ **ماہنامہ "آگاہی فکر و نظر)** "جلد 2، شمارہ 6–ربیع الثانی 1446ھ / اکتوبر 2024(

"سیرت النبی ﷺ اور مستشرقین و ملاحدہ کی مغالطہ آفرینیوں کا تعاقب" کے عنوان سے ایک خاص نمبر شائع کیا گیا، جس میں درج ذیل چھ اہم مضامین شامل تھے:

1. سیرت النبی ﷺ اور استشراق
2. سیرت النبی ﷺ اور مستشرقین کے تاریخی ادوار کا جائزہ
3. آفتابِ رسالت ﷺ اور مستشرقین کی مغالطہ آفرینیاں
4. سیرت النبی ﷺ کے مختلف گوشوں پر مستشرقین کے اشکالات
5. حیاتِ طیبہ اور مستشرقین کی ہرزہ سرائیاں
6. سیرت الرسول ﷺ اور استشراقی لٹریچر

❖ **ماہنامہ "البرہان"**

ڈاکٹر عالم خان کا انگریزی مضمون "جاوید احمد غامدی پر استشراق کے اثرات" شائع ہوا۔

❖ **ماہنامہ "نقطہ نظر" اسلام آباد**

استشراق کے موضوع پر عامر حسن کی کتاب پر تبصرہ شائع ہوا۔

### کانفرنسز، سیمینارز و ویبینارز

**20 ❖ اکتوبر 2024**

**مائی یونیورسٹی، اسلام آباد میں** استشراق پر کانفرنس کا انعقاد۔

**20 ◆ اکتوبر 2024**

**ہندوستان** میں بھی ایک سیمینار بعنوان "استشراق اور عصری چیلنجز "منعقد ہوا۔

**12 ◆ فروری 2025**

**الشریعہ اکادمی** میں دورۂ تفسیر کے شرکاء کو "**قرآن پر مستشرقین کی تحقیقات**" کے موضوع پر لیکچر دیا گیا۔ محاضر **طیب عثمانی**۔

**12 ◆ فروری 2025**

**یوایم ٹی لاہور** میں ویبینار بعنوان *Introduction to Corpus Coranicum* منعقد ہوا۔

محاضر (Dr. Michael Josef Marx: جرمنی(

**وقت**:رات 8 بجے تا 9:30 بجے، آخر میں سوال وجواب کی نشست بھی ہوئی۔

اہتمام:ڈاکٹر سمیع اللہ

**◆ مارچ 2025**

رمضان المبارک کی مناسبت سے **مسلم اسٹڈی سینٹر، اسلام آباد** کے تحت "روزہ اور **مستشرقین**" کے عنوان سے آن لائن کلاس منعقد ہوئی۔ مقرر :ڈاکٹر سید عدیل شاہ، ڈائریکٹر مسلم اسٹڈی سنٹر اسلام آباد

## علمی کورس

**◆ دسمبر 2024**

انسٹی ٹیوٹ آف اوریئنٹلزم میانوالی کے زیرِ اہتمام "مطالعۂ استشراق کورس "کا انعقاد کیا گیا۔

**اہم اسکالرز:**

- ڈاکٹر قبلہ ایاز (سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل)
- ڈاکٹر فیروز الدین شاہ کھگہ (یونیورسٹی آف سرگودھا)
- ڈاکٹر حافظ محمد نعیم (جی سی یونیورسٹی، لاہور)
- ڈاکٹر جمیل احمد نتکانی (بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان)
- سید عدیل شاہ گیلانی (ڈائریکٹر مسلم اسٹڈی سنٹر، اسلام آباد)

- ڈاکٹر حافظ سعید احمد (ڈائریکٹر، انسٹی ٹیوٹ آف اوریئنٹلزم، میانوالی)

**فوکل پرسن :** ڈاکٹر محمد عرفان

**موضوعات :** قرآن، حدیث، سیرت، فقہ، اور تاریخ پر مستشرقین کے افکار کا جائزہ

## تحقیقی مقالات

**11 فروری 2025**

**یونیورسٹی آف فیصل آباد** میں میاں محمد علی اویس نے پی ایچ ڈی مقالے کا دفاع کیا۔

**موضوع:**

فہمِ اسلام میں تحریکِ استغراب و تحریکِ استشراق کے مقاصد، دائرہ کار اور عصرِ جدید کے تقاضے: ایک تقابلی جائزہ

**ایم فل مقالہ**

**اسلامک ریسرچ سنٹر، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان**

محقق: عصمت اللہ حسن

نگران: ڈاکٹر جمیل احمد نتکانی

**موضوع:**

عہد فاروقی کی اصلاحات پر مستشرقین کی آراء کا تحقیقی جائزہ

یہ سرگرمیاں اس بات کا ثبوت ہیں کہ مطالعۂ استشراق محض ایک علمی مشغلہ نہیں بلکہ ایک فکری، تہذیبی اور تحقیقی تحریک بن کر ابھر رہا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ آف اوریئنٹلزم اس جدوجہد کو مربوط انداز میں آگے بڑھا رہا ہے، اور ہم تمام اسکالرز، محققین، اور طلباء کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس قافلے کا حصہ بنیں۔

# مجلہ استشراق مشاہیر اہلِ علم کی نظر میں

## ڈاکٹر قبلہ ایاز سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل / جج شریعت ایپلٹ بینچ

استشراق کا تازہ شمارہ آپ کے سامنے ہے۔ میانوالی جیسے دورافتادہ علاقے میں محترم ڈاکٹر سعید احمد صاحب بے انتہا مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے استشراق کے مطالعات کا اجراء کیا اور تسلسل کے ساتھ اس موضوع پر کام کر رہے ہیں۔ اس موضوع پر بہت وقیع اور معلوماتی آرٹیکلز اور مضامین شائع کر رہے ہیں۔

استشراق جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ ایک بہت بڑا علمی میدان ہے اور مغربی جامعات میں مشرقی علوم کا مطالعہ چیلجنگ کام رہا ہے۔ اور مستشرقین نے مشرقی علوم کے مختلف پہلوؤں پر بہت جامع اور تحقیقی مطالعہ کیا ہے۔

یقیناً استشراق اور مستشرقین کا منہج مختلف ہے اور مذہبی علوم کے بارے میں تقدس اور تقدیس کا جو پہلو ہمارے ہاں موجود ہے۔ مغرب میں اس کا تصور موجود نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ استشراق کے ذریعے بہت سارے پوشیدہ پہلو، یا وہ پہلو جن کا ہمارے ہاں مطالعہ نہیں کیا جاتا، سامنے آئے ہیں۔

جہاں استشراق کو رد کرنے اور جواب دینے کا پہلو اہم ہے، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ مستشرقین نے جن پہلوؤں کو اٹھایا ہے ان کا عمیق مطالعہ کیا جائے اور یہ کوشش کی جائے کہ ایسا منہج تشکیل دیا جائے جو دلیل کے لحاظ سے قابل قبول اور متاثر کن ہو۔

یہ حالیہ شمارہ بھی پچھلے شماروں کی طرح بہت سارے نئے پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ نئے زاویے سامنے لائے گئے ہیں اور استشراق کے میدان میں جو تحقیقات ہوئی ہیں، اردو دان اہلِ علم کو آگاہ کیا گیا۔ ہم سب کو ڈاکٹر سعید آحمد صاحب کا شکر گزار ہونا چاہیے اور ان کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ اور ان کے کام سے افادہ عام کیا جائے تا کہ ہمارے شاگرد اور آئندہ نسلیں ان کے کام سے آگاہ ہوں۔

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

ڈاکٹر عاطف اسلم راؤ ایسوسی ایٹ پروفیسر جامعہ کراچی

عصر حاضر میں علمی دنیا میں مختلف مذاہب کے مابین علمی فکری مکالمے جاری ہیں، مختلف علوم و فنون پر بحث مباحثے ہو رہے ہیں وہیں علوم اسلامیہ پر جس قدر تحقیقات فی زمانہ ہو رہی ہیں اس کی مثال گزشتہ صدی میں ہمیں نہیں ملتی۔ علوم اسلامیہ میں علم استشراق ایک اہم موجوع ہے۔ استشراق صرف ایک علمی اصطلاح نہیں بل کہ یہ مشرق اور مغرب کے تعلقات، علمی نقطۂ نظر، نظریاتی کشمکش اور تہذیبی تفہیم کا گہرا عنوان ہے، جس پر مستقل اور معروضی تحقیق وقت کی اہم ضرورت ہے۔ انسٹیٹیوٹ آف اورینٹلزم، میانوالی کے زیر اہتمام شائع ہونے والا تحقیقی مجلہ "استشراق" ایک نہایت اہم علمی و فکری اضافہ ہے۔ مدیر ڈاکٹر حافظ سعید احمد اور نائب مدیر ڈاکٹر محمد عرفان کی ادارت میں مرتب ہونے والا یہ مجلہ، استشراق جیسے حساس اور کثیر الجہات موضوع پر سنجیدہ علمی مکالمے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ مجلے میں شامل مقالات استشراق کی تاریخی اساس، فکری پس منظر اور اسلامی علوم پر اس کے اثرات کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ علمی معیار، حوالہ جاتی استناد اور فکری تنوع اس اشاعت کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اس اشاعتی کاوش سے تحقیق و تنقید کے نئے زاویے سامنے آئے ہیں، جو قارئین اور محققین کو ایک فکر انگیز مطالعے کی دعوت دیتے ہیں۔

مجلے میں شامل مقالات نہ صرف علمی معیار پر پورا اترتے ہیں بلکہ ان میں تنوع اور گہرائی بھی نمایاں ہے۔ استشراق کی تاریخی جڑوں سے لے کر جدید استشراقی تحریکات تک، اور اسلامی علوم پر ان کے اثرات سے لے کر مسلم علما کے علمی و فکری جوابات تک، مختلف پہلوؤں کو مدلل انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔ خاص طور پر مغربی مفکرین کی فکر، استعماری پس منظر، اور اسلامی تہذیب و معارف پر استشراق کے اثرات جیسے موضوعات پر سنجیدہ تحقیق قابلِ تحسین ہے۔

یہ مجلہ اُن طلبہ، اساتذہ، محققین اور علمی حلقوں کے لیے نہایت مفید ہے جو اسلامی مطالعات، مغرب و مشرق کے تعلقات اور بین المذاہب مکالمے کے علمی پہلوؤں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ادارہ مذکورہ کا یہ اقدام نہ صرف علمی دنیا میں استشراق کے موضوع کو دوبارہ متحرک کرنے کی ایک کاوش ہے بلکہ یہ معیاری اسلامی تحقیق کو فروغ دینے کی ایک سنجیدہ کوشش بھی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ "انسٹیٹیوٹ آف اورینٹلزم" اس سلسلے کو مستقبل میں بھی جاری رکھے گا اور علمی تحقیق کے میدان میں اپنی پہچان مزید مستحکم کرے گا۔

# *Institute Of Orientalism*

انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹلزم میانوالی کی بنیاد یکم محرم 1444ھ کو رکھی گئی۔ مذکورہ ادارہ ایک علمی و تحقیقی ادارہ ہے، جس کے قیام کے بنیادی مقاصد میں درج نکات شامل ہیں:

(1)اسلام کے بارے میں مستشرقین کی تحقیقات کو اردو زبان میں بیان کرنا

(2)استشراق پر مسلم محققین اور اسکالرز کی گئی تحقیق کی ترویج واشاعت کے لیے اردو میں ترجمہ کرنا

مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے ادارہ اردو میں استشراق کے بارے میں لکھی گئی کتب اور مقالہ جات کی اشاعت کا اہتمام کرے گا، اور مسلم محققین اور مستشرقین کے اسلام کے بارے میں انگریزی زبان میں لکھے گئے تحقیقی مقالہ جات، کتب اور مضامین کے تراجم کروائے گا اور ان کو شائع کرے گا، ان تراجم کی اشاعت اور مغربی اداروں کی علمی و تحقیقی سرگرمیوں کو اردو زبان میں بیان کر نے کے لیے ایک رسالہ شائع کیا جائے گا، اس کے علاوہ ادارہ اپنے مقاصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کانفرنسز اور سیمینار کا انعقاد کروائے گا تاکہ مسلم معاشرے میں علمی مباحث کو نئے زاویے میسر آسکیں۔ اور مغرب کی اسلام کے بارے میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کا تدارک ہوسکے اور ان کے پیش کردہ مفید علمی نکات سے استفادہ کیا جاسکے۔

## *Institute Of Orientalism*

**Email: ioorientalism@gmail.com**

**www.ioorientalism.wordpress.com**